وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۱۹ شمارہ نمبر ۸ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ مارچ ۲۰۲۲ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی دولت گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

وفاق المدارس اور دینی مدارس کا کردار	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ	۳
مولانا محمود اشرف عثمانیؒ کا سانحہ ارتحال	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ	۱۰
عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے گزران کرو	محمد احمد حافظ	۱۳
تزکیہ واحسان: کارِ نبوت کا ایک اہم شعبہ	مولانا مفتی خالد محمود	۱۹
علم وحکمت کے بے مثال نمونے	مولانا بدر الحسن القاسمی	۲۸
دینی تعلیم کے جدید تقاضے	مولانا زاہد الراشدی	۳۴
عربی زبان ایسے سیکھئے جیسے مادری زبان	مولانا محمد طلحہ بلال احمد منیار	۳۹
تشنہ لبوں کا نخلستان......''آسان تفسیرِ قرآن''	مولانا سید عدنان کریمی	۴۲
تکبیر کا نعرہ تری عصمت کا امیں ہے	محمد احمد حافظ	۴۶
آہ......حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی فقیر والی	حضرت مولانا اللہ وسایا	۴۹
کراچی: وفاق المدارس کے زیر اہتمام دو اہم تربیتی نشستیں	صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی	۵۱
خدماتِ وفاق المدارس کنونشن سکھر	صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی	۵۵
بس دیانت وامانت شرط ہے	اداریہ روزنامہ امت	۵۸
وفیات	ادارہ	۶۰
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	۶۱

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 30 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 360 روپے

صدائے وفاق

وفاق المدارس اور دینی مدارس کا کردار

خطاب: شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ضبط وتحریر: مولانا سعداللہ سعدی

۲؍جمادی الثانیہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۶؍جنوری ۲۰۲۲ء جمعرات کے روز نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے وفاق المدارس کے تحت جامعہ امدادیہ کوئٹہ میں منعقد ہونے والے "خدمات دینی مدارس کنونشن" میں شرکت فرمائی، اس موقع پر آپ نے فکر انگیز خطاب بھی فرمایا، حضرت صدر وفاق مدظلہم کے خطابات اکابر کے مزاج ومسلک اور ذوق ومشرب کو سمجھنے کے لئے نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ یقیناً یہ تربیتی بیانات ہیں، جن کے مطالعے سے فکر وعمل کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔ یہ وقیع خطاب ہدیۂ قارئین ہے۔(ادارہ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:

کلمات شکر اور محفل میں حاضری پر اظہار مسرت:

حضرات گرامی قدر! حضرت مولانا عبدالستار شاہ صاحب دامت برکاتہم سرپرست وفاق المدارس العربیہ پاکستان، حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم العالیہ ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، حضرت مولانا عبدالغفور حیدری صاحب دامت برکاتہم العالیہ راہنما جمعیت علمائے اسلام، میرے انتہائی محترم علمائے کرام! مہتممین عظام!......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج مجھے اس مبارک اجتماع میں شرکت کرنے کی اتنی خوشی محسوس ہو رہی ہے اور میں اس کو اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ اس کا اظہار الفاظ کے ذریعے ممکن نہیں، تقریباً نومبر کے مہینے سے ہم اس فکر میں تھے کہ آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب اور حضرت مولانا امداداللہ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ ان حضرات نے اس اجتماع کا انعقاد فرمایا اور میں جناب قاری نورالدین صاحب (مہتمم جامعہ امدادیہ کوئٹہ) کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس عظیم الشان مدرسے میں اجتماع کے لیے بہترین انتظام فرمایا۔ اور جن جن حضرات نے اس مبارک اجتماع میں شرکت کی میں ان کو تہِ دل سے

مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

وفاق المدارس العربیہ کے ساتھ یکجہتی اور قربانی کا جذبہ:

اس مدرسے میں غالباً میری حاضری پہلی بار ہو رہی ہے مگر میرے بہت سارے ساتھی یہاں پر موجود ہیں، شیخ الحدیث، ناظم تعلیمات اور اساتذہ کرام بھی ہیں۔ دیگر تمام حضرات بلوچستان کے دور دراز علاقوں سے محض دین کے ساتھ محبت کی بناء پر، مدارس کے ساتھ محبت کی بناء پر اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے محبت کی بناء پر سفر کی مشقتیں جھیل کر یہاں تشریف لائے، ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ شاید ان حضرات کے آنے میں دشواری ہو، سردی کا موسم بھی ہے اور بعض علاقوں میں برف باری بھی متوقع تھی، لیکن آج کا یہ مجمع جس نے اس مدرسے میں ایک بہار قائم کی ہوئی ہے، یہ اس بات کی نشانی ہے کہ علم دین اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان جو کہ ایک سائبان کی مانند ہے؛ یہ حضرات مشقت جھیل کر اس کے ساتھ یکجہتی اور اس کے لیے قربانی دینے کے جذبے کا اظہار فرمانے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا سرٹیفکیٹ:

واقعہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ہم پر بہت احسانات فرمائے ہیں، ہمارے سر سے لے کر پاؤں تک، اور ہمارے جسم کا ایک ایک رُواں اللہ جل جلالہ کی نعمتوں کی بارش سے مستفید ہو رہا ہے، لیکن ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت، سب سے بڑا احسان اور سب سے بڑا انعام ہم پر یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیں اپنے دین کے علم کے ساتھ وابستہ فرما دیا، آپ تصور کریں کہ ہمارا رشتہ علم دین کے ساتھ نہ جڑتا تو ہم کن گمراہیوں میں اور کن بداعمالیوں میں ڈوب سکتے تھے؟!، اللہ تعالیٰ نے علم دین کے پڑھنے اور پڑھانے کے ساتھ وابستہ کیا اور رسولِ کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق بنا دیا: **خیر کم من تعلّم القرآن وعلمه۔**

یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا سرٹیفکیٹ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی سند ہے، آپ کی عطا فرمائی ہوئی ڈگری ہے، جو ہر قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے کو حاصل ہے۔ دنیا کہتی ہے کہ اچھا وہ ہے کہ جس کے پاس مال و دولت ہو، جس کے پاس اقتدار ہو، جس کے پاس حکومت ہو۔ لیکن نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ نہیں سب سے افضل اس روئے زمین پر وہ لوگ ہیں جو قرآن پڑھ رہے ہیں، یا پڑھا رہے ہیں، اور قرآن لفظ اور معنی دونوں کا مجموعہ ہے، قرآن کریم کی تعریف آپ لوگوں نے اصولِ فقہ میں پڑھی ہے: **هو اسم للنظم والمعنیٰ جمیعاً** جو قرآن کا لفظ پڑھا رہے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں، اور جو قرآن کے معنیٰ پڑھا رہے

ہیں تفسیر کی شکل میں، حدیث کی شکل میں، قرآن سے نکلنے والے احکام فقہ کی شکل میں، سب اس کا مصداق ہیں۔ کیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیرکم من تعلم القرآن وعلمہکی صورت میں دی ہوئی ڈگری کے بعد کسی ڈگری کی ضرورت ہے؟ اس سے بڑی کوئی ڈگری ہوسکتی ہے؟ کوئی یونیورسٹی، کوئی نظامِ تعلیم اگر آپ کو ڈگری دے گا، تو ماسٹر زکی ڈگری، ڈاکٹریٹ کی ڈگری تو دے گا مگر یہ ڈگری نہیں دے گا کہ عالم انسانیت میں تم سب سے بہتر ہو۔ یہ ڈگری صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی۔

''طالب علمو! اپنی قدر پہچانو!'':

اللہ تعالیٰ نے ہماری نسبت ان علومِ دین سے جوڑ دی، اس لیے اس کی قدر پہچاننی چاہیے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ہمارے ہاں دارالعلوم کراچی تشریف لائے، ان کے ہاں بیان کرنے کا معمول نہیں تھا، وہ ان شخصیات میں سے تھے کہ وہ کچھ بھی نہ کہیں لوگ ان کی زیارت کرلیں تو انسان کی زندگی میں انقلاب آجائے......الذین اذا روؤا ذکر اللّٰہ میں سے تھے۔لہذا جب وہ کسی مجمع میں آتے تو لوگ آپ کی زیارت کرتے، آپ السلام علیکم کہتے، بیان نہیں فرماتے تھے۔ایک مرتبہ میں نے جراءت کرکے حضرت سے عرض کیا، کہ حضرت! ہماری مسجد میں کچھ کلمات نصیحت کے فرمادیجیے!

تو فرمایا: اچھا مائک لاؤ ......حضرت نے فرمایا:''طالب علمو! اپنی قدر پہچانو!'' ......بس یہ بیان تھا۔اگر اس جملے "اپنی قدر پہچانو" پر غور کرو تو اس کی شرح وایضاح کے دفتر لکھے جاسکتے ہیں۔ہمیں اس نعمت کی قدر نہیں، اس واسطے کبھی اس طرف بھاگتے ہیں کہ ہماری سند کہیں سے منظور ہوجائے، کبھی اس طرف بھاگتے ہیں کہ ہمیں ملازمتیں مل جائیں، کبھی اس طرف بھاگتے ہیں کہ ہمیں نوکریاں مل جائیں، کبھی اس طرف بھاگتے ہیں کہ ہمیں کوئی منصب واقتدار مل جائے۔لیکن حضرت نے فرمایا: "اپنی قدر پہچانو"۔اور قدر پہچاننے کا راستہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کو دنیا کی، کائنات کی سب سے بڑی نعمت سمجھ کر اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، پڑھ رہے ہیں تو پڑھنے کا حق ادا کریں، پڑھا رہے ہیں تو پڑھانے کا حق ادا کریں۔

اہل حق ہمیشہ غالب ہوں گے:

خوب سمجھ لیجیے! کہ جہاں تک باطل کا تعلق ہے وہ تو پہلے دن سے حق کے مٹانے کی فکر میں ہے......

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ستیزہ کار کا مطلب ہے لڑائی پر آمادہ۔یعنی ابولہب (باطل) کی لڑائی ازل سے آج تک چراغِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری ہے۔

باطل تو ہمیشہ حق کو مٹانے کی کوشش کرتا رہا ہے،لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْن

بے شک اس جنگ اور باطل کی طرف سے اس یلغار کے مقابلے میں ہمیں ظاہری اسلحہ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے: وَ اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ لیکن جب یہ فرمایا: کہ تم غالب ہو جاؤ گے تو وہاں یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے پاس ہتھیار زیادہ ہوں تو تم غالب ہو جاؤ گے، یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری تعداد زیادہ ہوگی تو تم غالب ہو جاؤ گے،صرف ایک شرط لگائی: ''اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْن'' ۔باطل کے ساتھ جنگ جاری رہے گی،مسلمان کا کام اس سے لڑنا ہے، وہ چاہے اسلحہ سے ہو، چاہے دلیل سے ہو،اور چاہے کسی بھی طریقے سے ہو،مسلمان کا کام ان سے مقابلہ کرنا ہے۔کبھی دعوت کے ذریعے،کبھی جدال کے ذریعے،کبھی قتال کے ذریعے مقابلہ کرنا ہے۔لیکن غالب ہونے کے لیے ایک ہی شرط ہے: اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْن ۔ایک اور جگہ فرمایا کہ کثرت تعداد پر بھی بھروسہ نہ کرو...... کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ......بھروسہ صرف ایک ذات پر ہونا چاہیے۔ ایمان کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ایمان اور اس کے تقاضوں کو سمجھیں، پڑھیں،لوگوں تک پہنچائیں،اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ......ان شاء اللہ ہمیں غلبہ عطا فرمائے گا۔

وفاق المدارس کا تمام اہل مدارس کے نام اہم پیغام:

لہذا ہمارا پیغام وفاق المدارس کی طرف سے اپنے سارے ساتھیوں اور رفقاء کو،تمام مدارس کو یہ ہے کہ وہ اپنے کام کو مضبوطی سے پکڑلیں،اپنا کام معیاری بنائیں۔اگر درس ہے تو وہ معیاری ہو،اگر تدریس ہو تو وہ معیاری ہو،تربیت ہے تو وہ معیاری ہو،ہم یہ کام کر کے اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھائیں "یا اللہ!...... **منا الجهد وعليك التكلان** کہ ہم جو کچھ کر سکتے تھے وہ تو کر رہے ہیں،اور بہتر طریقے سے کرنے کی کوشش کر رہے ہیں،لیکن ہمارا بھروسہ صرف آپ پر ہے،یا اللہ ہم صرف آپ ہی سے مانگتے ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ ہے:

میری گزارش یہ ہے کہ ان مدارس کا دین کے ساتھ رشتہ جوڑنے کی نعمت ہے اور اس نعمت کو مضبوط بنانے کے لئے وفاق المدارس العربیہ ہے،اس کے سائے تلے،اس کی چھت کے نیچے،اس کے سائبان میں ہم الحمد للہ متحد ہیں،متفق ہیں۔ہزار دوسرے اختلافات ہوں لیکن وہ سائبان جس نے سب کو جمع کیا ہوا ہے وہ وفاق المدارس ہے

جس کی چھت کے نیچے بیٹھ کر اپنے باہمی اختلافات بھلا کر صرف ایک مقصد کے لیے جمع ہوتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ہماری تعلیم وتربیت ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا کوئی اندازا نہیں، اور یہی نعمت دشمنوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس وحدت کو توڑیں، کسی طرح اس میں افتراق پیدا کریں، لیکن اِن شاء اللہ، ثم اِن شاء اللہ...... اگر ہم اپنا کام صحیح طریقے سے کرتے رہے، خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتے رہے، اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں، اپنی نوکریوں کے لئے نہیں، اپنے دنیوی مال ودولت حاصل کرنے کے لئے نہیں، صرف دین کے لیے اور اللہ کے لئے پڑھ رہے ہیں، یہ جذبہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر برقرار رکھے تو ان شاء اللہ دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔

امام احمد ابن حنبلؒ کی دردناک داستان:

لوگ کہتے ہیں کہ یہ مدرسوں پر قبضہ کرلیں گے، مدرسوں کو اپنے ماتحت بنائیں گے، یہ خیالِ خام ہے، کوئی مدرسوں کو اپنے ماتحت نہیں کرسکتا، یہ اللہ کے دین کا علم ہے، یہ اس زمانے میں بھی زندہ رہا جب اس کے اوپر ایسے حکام مسلط ہوئے جنہوں نے امام احمد ابن حنبل کو کہا کہ تم یہ درس نہیں دے سکتے، درسِ حدیث دینے سے منع کردیا، سترہ کوڑے لگائے اور کوڑے بھی ایسے جن کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک کوڑا اگر ہاتھی کے اوپر مار دیا جاتا تو وہ بدک جاتا تھا۔ ایسے سترہ کوڑے حق کی خاطر امام احمد ابن حنبلؒ نے کھائے، اور حق سے سرمو انحراف نہیں فرمایا، اس وقت جب کہ بڑے بڑے بھی گر گئے، پھر بھی امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہر کوڑے پر جواب ایک ہی ہوتا، فرماتے: "ھاتو ا من حدیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیئا " مجھے کوئی حدیث دکھادو؛ مان لوں گا۔ اس اذیت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ رکھا، سلامت رکھا، پھر قید میں ڈال کر ان پر جبر کیا گیا، آزادی دینے کے بعد یہ شرط لگائی گئی کہ آپ حلقۂ درس قائم نہیں کریں گے، حدیث کا درس نہیں دینگے، مجبور ہو کر گھر میں بیٹھ گئے۔ اس وقت کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کو اتنی اذیتیں دی گئیں، اگر آپ چاہیں تو ہم ایک جماعت بنا کر اس حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کریں گے۔ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا: " کہ جس طرح میں اس بات کو حق سمجھتا ہوں کہ کلام اللہ مخلوق نہیں قدیم ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر بھی یقین رکھتا ہوں، جب کوئی مسلمان ریاست قائم ہے تو اس کے خلاف میں اسلحہ نہ اٹھاؤں، لہٰذا اپنے گھر میں قید رہے۔ اسی دوران اندلس کے ایک محدث بقی ابن مخلدؒ اندلس سے سفر کر کے امام احمد ابن حنبلؒ سے حدیث حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوئے، جب بغداد پہنچے تو پوچھا کہ امام احمد ابن حنبلؒ کا حلقہ کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ

امام صاحب کو حکومت نے درس دینے سے منع کیا ہے، وہ بہت پریشان ہوئے، حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے گھر پر حاضر ہوئے، عرض کیا کہ میں اندلس سے سفر کر کے آپ سے حدیث پڑھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں، امام صاحب نے فرمایا: کہ تم روزانہ فلاں وقت ایک فقیر کے بھیس میں آ کر سوال کرنے والوں کی طرح آواز لگایا کرو۔ تو میں دروازہ کھول کر ایک دو حدیثیں سنایا کروں گا۔ بقی بن مخلد روز فقیر بن کر جاتے اور ایک دو حدیثیں اتنی دیر میں سنتے جتنی دیر میں کوئی دروازہ کھول کر فقیر کو کچھ دیتا ہے۔ حدیث سن کر اسی کو غنیمت سمجھ کر اس کو سینے میں اتار لیتے اور ہاتھ سے لکھ لیتے۔ اس طرح کافی عرصے تک حدیث حاصل کرتے رہے۔

مدرسے......ان شاء اللہ کوئی نہیں مٹا سکتا:

ارے خدا کے بندو! مدرسہ ان عمارتوں کا نام نہیں ہے، مدرسہ حلقوں کا نام بھی نہیں ہے، مدرسہ انار کے درخت کے نیچے بھی قائم ہو جاتا ہے، اخلاص کے ساتھ انار کے درخت کے نیچے ایک پڑھانے والا اور ایک پڑھنے والا ہو تو اس کا فیض ساری دنیا میں پھیل جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کیسے قائم ہوا؟ ایک استاذ ایک شاگرد تھے، دونوں کا نام محمود ہے، استاذ ملا محمود، شاگرد محمود حسن جو شیخ الہند کہلائے۔ وہاں سے مدرسہ شروع ہوا۔ تو میاں!......آپ چاہتے ہو کہ مدرسے بند کر دو گے؟ مدرسہ عمارتوں کا نام نہیں ہے، مدرسہ رجسٹریشن کا نام بھی نہیں ہے، مدرسہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے کا نام ہے۔

ع ......میں جہاں بیٹھ کے پی لوں وہی مے خانہ بنے

تو یہ خیال خام اگر کسی کے دل میں ہے کہ وہ مدرسوں کو مٹا دے گا، تو یہ غلط فہمی ہے، جتنی جلدی اس کی یہ غلط فہمی رفع ہو جائے اس کے حق میں بہتر ہوگا، مدرسے ان شاء اللہ کوئی نہیں مٹا سکتا۔ سازشیں اور آزمائشیں کس دور میں نہیں آئیں؟ امام احمدؒ کا واقعہ میں نے سنایا، اس سے زیادہ آزمائش ہے ہمارے اوپر؟ اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہے، تھوڑی بہت آزمائشیں ہیں۔ اور ہمیں اس کا پورا وثوق ہے کہ وہ آزمائشیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اپنے جاہ و منصب کے لئے نہیں ہیں، اپنی عزت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ کے لیے ہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ مدرسے حکومت کے تسلط سے بالکلیہ آزاد اور خود مختار ہونے چاہییں۔ جو کچھ سزا ہمیں مل رہی ہے وہ اس بات کی مل رہی ہے کہ ہم لوگ اپنے نظام میں، اپنے نصاب میں اپنے اسلاف کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے آزادی اور خود مختاری کے ساتھ تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے اگر ہم آزمائش میں ہیں تو اس آزمائش کو برداشت کریں اور اس پر صبر کریں، اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔ ہمیں کسی سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں۔

ہم اللہ سے بھیک مانگیں، یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے حق کے پیغام کو محفوظ رکھنے کے لیے دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنادے۔ آمین۔ ہر مدرسہ اگر ان دعاؤں کا اہتمام کرے گا، اللہ کی طرف رجوع سے تعلق مضبوط کرے گا، ان شاء اللہ کوئی آنچ اس مدرسے پر نہیں آئے گی، اور اطمینان رکھیں؛ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وفاق المدارس ایک ایسی چیز بنائی ہے، یہ ہمارے اکابر سے ہمیں ورثے میں ملی ہے، انہوں نے محنتیں کیں، مشقتیں اٹھائیں، انہوں نے مصیبتیں جھیلیں، تب جا کر یہ ادارہ قائم ہوا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ اکیلے ہیں، کسی کی دھمکی میں نہ آئیں، کسی کے لالچ میں نہ آئیں، آپ اطمینان کے ساتھ اپنا کام معیاری انداز میں اللہ کے لیے جاری رکھیں، اگر کوئی مشکل پیش آئے تو رجوع الی اللہ کریں، یہ ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ تنہا ہیں۔ الحمد للہ...... آپ کے چوکیدار بیٹھے ہیں، وہ آپ کے مسائل سے غافل نہیں ہیں، اگر ہم صدق دل کے ساتھ کام کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں نامراد نہیں فرمائیں گے۔

وفاق المدارس کے خلاف سازشیں ناکام ہوئی ہیں:

مدرسوں کو وفاق سے الگ کرنے کی سازش کی گئی، سال بھر ہو گیا، ۲۳ ہزار مدرسوں میں سے صرف اٹھائیس مدرسے نکلے، اور چودہ سو نئے مدرسوں کا الحاق ہوا، اس ایک سال کے اندر...... کیا یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم نہیں ہے؟!...... کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت نہیں ہے؟۔ ابھی مولانا حنیف جالندھری صاحب نے بتایا کہ پچھلے سالوں کی بنسبت اس سال وفاق المدارس العربیہ میں چالیس ہزار طلبہ کے داخلوں کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس بات کا اشارہ نہیں ہے کہ کس سے گھبرا رہے ہو؟ ہم اوپر بیٹھے ہیں، وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْن آپ کے لئے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے رجوع جاری رکھیں، اپنا کام مضبوط رکھیں۔ ان شاء اللہ آپ ہی غالب ہوں گے...... اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْن ۔ اللہ تعالیٰ کی ہم پر یہ نعمت ہے کہ اس نے ہم سے تھوڑی سی چوکیداری کا کام لیا۔ مدرسوں کی چوکیداری کرنا ہمارے لیے بڑی سعادت ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خدمت سپرد کر دی ہے، جب تک ہم زندہ ہیں اس خدمت میں لگے رہیں گے......

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ہیں چراغ آخر شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں ...... اجالا ہے

امید ہے کہ ہمارے تمام مدارس پورے یقین، استقلال، عزم اور ہمت کے ساتھ اپنے معیار تعلیم کو جاری رکھیں گے اور اس میں کمزوری نہیں آنے دیں گے...... وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت مولانا محمود اشرف عثمانیؒ کا سانحہ ارتحال

’’کہاں ڈھونڈیں گے پروانے چراغ جستجو لے کر؟!‘‘

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کا تعزیتی بیان

جامعہ دارالعلوم کراچی کے بانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی نوراللہ مرقدہ کے بڑے پوتے، فقیہ ومفسر، محدث، طلبہ کرام کے مربّی اور ہردلعزیز استاذ حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ۷۳/ برس کی عمر میں ۲۷/فروری ۲۰۲۲ء اتوار کی شام غروب آفتاب سے چند لمحات قبل اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون!......

آپ پچھلے کئی ماہ سے علیل اور صاحب فراش تھے۔آخری دنوں میں طرح طرح کی پیچیدگیوں کی وجہ سے علاج کی کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہوسکی۔بالآخر پروانہ اجل آ گیا۔آپ کی نماز جنازہ کے موقع پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے رنج وغم کی کیفیت میں تعزیتی خطاب فرمایا، اوراس میں تسلی واطمینان کے گراں قدر نکات ارشاد فرمائے، ان میں ہم سب کے لئے بہترین سبق ہیں۔حضرت کا یہ قیمتی بیان نذر قارئین ہے۔(ادارہ)

یہ ملت اسلامیہ کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے:

حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:......آپ حضرات جس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں،اللہ تعالیٰ آپ کی آمد قبول فرمائے۔حضرت مولانا محمود اشرف عثمانی ____ جن کو آج رحمۃ اللہ علیہ کہنا پڑ رہا ہے ____ کی وفات ہمارے خاندان، ہمارے دارالعلوم اور پوری ملت اسلامیہ کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں جن اوصاف وکمالات سے نوازا، ان کا علم وفضل، ان کی تواضع، ان کی للّٰہیت اور اپنے آپ کو گمنام رکھ کر دینی خدمات انجام دینے کا جوان کا انداز تھا، خاص طور پر ان حضرات کو ضرور معلوم ہوگا جنھوں نے ان سے پڑھا ہے۔ماشاء اللہ ہزاروں کی تعداد میں ان کے شاگرد نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔اور امید یہ ہے کہ ان شاءاللہ ان کے لیے عظیم صدقہ جاریہ ہوں گے۔

غم کے بادلوں میں تسلیوں کے سامان

یہ غم ہم سب کے لیے ہے، اور خاص طور پر ہمارے دارالعلوم کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک صاحب ایمان کو تسلی کے جو اسباب مہیا فرمائے وہ الحمدللہ اس غم اور صدمے کے موقعے پر بھی ہمارے لیے

بڑی تسلی اوراطمینان کا سبب ہیں۔اللہ بچائے انسان اگر ایمان سے محروم ہو؛اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے؛توتسلی کا کوئی راستہ نہیں!۔جوآدمی چلا گیا اس کی جدائی پرصدمہ،اس صدمے پرتسلی کا کوئی راستہ نہیں!لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک صاحب ایمان کواتنی تسلیاں دی ہیں......پہلی بات تو یہ فرمادی کہ یہ جدائی مستقل اور ہمیشہ کے لیے نہیں ہے،ان شاءاللہ عارضی ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اگر ایمان اورعمل صالح کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پاس بلالےتوان شاءاللہ وہاں ملاقات ہوگی اور ہمیشہ کے لیے ہوگی،پھرکوئی جدائی نہیں ہوگی۔اور جوصدمہ اس وقت ہےاس پربھی اللہ جل جلالہ نےہمیں تسلی دی ہے کہ......**اِذا اَصابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْن!**

کہ ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اسے جب کوئی صدمہ پہنچے،کوئی دکھ پہنچےتو وہ یہ کہے:

اناللّٰه و انااليه راجعون!......’’ہم اللہ کے لئے ہیں اوراللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔‘‘

اس میں یہ بھی بتادیا کہ تمہیں بھی وہیں لوٹ کرجانا ہے جہاں تمہارا عزیز مرحوم گیا ہے،اورتمہیں صدمہ ہوتو اس پر تم سے کوئی مواخذہ نہیں،کوئی گرفت نہیں،یہاں تک کہ بے اختیار رونا آئے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔لیکن ایک مومن کا کام یہ ہے کہ......چاہے اس کے سینے میں آگ بھڑک رہی ہو،چاہے وہ صدمے سے چور ہولیکن اس کی زبان پراللہ تعالیٰ کے فیصلے پرراضی ہونے کا تصورموجودہو......**اناللّٰه**......’’ہم بھی اللہ کے لیے ہیں‘‘......**وانااليه راجعون!**......’’اور بے شک ہم بھی اسی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں۔‘‘

<u>اناللہ وانا الیہ راجعون......کہنے پر لامحدود اکرامات:</u>

جب کسی صدمے کے موقع پر......چاہے کتنا ہی صدمہ ہو،کتنا غم ہو......دل میں آگ بھڑک رہی ہو،لیکن جب بندہ یہ اعتراف کرلیتا ہے اناللہ وانا الیہ راجعون......تواس پر باری تعالیٰ نے جوخوش خبریاں عطا فرمائی ہیں وہ کیسی عظیم ہیں کہ......**اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَة......وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْن!**

جولوگ کسی مصیبت کے وقت’’ اناللہ وانا الیہ راجعون‘‘ کہتے ہیں ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے ’’صلوات‘‘ ہیں،اور’’رحمتیں‘‘ ہیں۔معلوم ہوا’’صلوات‘‘اور چیز ہےاور’’رحمة‘‘اور چیز ہے۔’’صلوات‘‘اگر دیکھا جائےتوانبیاءکرام کے لیے ہوتی ہیں۔فرشتوں کے لیے ہوتی ہیں،**اِنَّ اللّٰهَ وَمَلائِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيماً۔**

تو’’صلوات‘‘ ،تو پتانہیں کیا چیز ہے؟!اس کی حقیقت ہم سمجھ بھی نہیں سکتے؟اس کواللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمایا کہ ان کے پروردگار کی طرف سے’’صلوات‘‘ ہیں۔اور رحمت ہے۔رحمت الگ،صلوات الگ۔رحمت کا مطلب تو ہم

سمجھ بھی سکتے ہیں،صلوات کا مطلب تو پتا نہیں کیا ہے؟ ......کیا نعمتیں ہیں؟ کیا عظمتیں ہیں؟ کیا اکرامات ہیں؟ کیا انعامات ہیں؟۔تو ان کے لیے جو زبان سے یہ کہتے ہیں،دل بھڑک رہا ہو لیکن زبان سے یہ کہہ دیں کہ انا اللہ وانا الیہ راجعون......ان کے لیے''صلوات''ہیں ان کے پروردگار کی طرف سے،اور''رحمت''ہے،اور وہی لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ہدایت کا سٹرٹیفکیٹ دے دیا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عجیب نکتہ:

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب پہلے زمانے میں سامان کسے گدھے پر یا خچر پر لے جایا جاتا تھا تو ایک جھولی ادھر ہوتی تھی اور ایک جھولی اُدھر ہوتی تھی......اس کو عربی میں **عِـدْلَیْن** کہتے تھے......یہ بھی عِدْل ...... یہ بھی عِدْل......عِدْلَان!۔اور بیچ میں بھی کوئی سامان رکھ دیا جاتا تھا اس کو''عِلَاوَۃ''کہتے تھے۔تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس آیت کے بارے کہتے ہیں......**نـعـم الـعِـدْلان ونـعـم الـعِلَاوہ**......تو عدل......ایک طرف''صلوات''،ایک طرف''المہتدون''......یہ تو عدلین ہیں۔اور رحمۃ جو ہے وہ علاوہ ہے۔تو دو عظیم الشان چیزیں اور بیچ میں ایک''علاوہ''بھی،صلوات بھی،ہدایت کا سٹرٹیفکیٹ بھی،اور بیچ میں رحمۃ اس کے علاوہ۔

مرحومین کو ایصال ثواب کرتے رہیے:

تو اتنا بڑا انعام اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا،ہر غم پر،ہر مشکل پر،ہر مصیبت پر بندہ یہ کہہ دے......**انـا للّٰہ وانـا الیـہ راجعـون**!تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ انعامات ہوتے ہیں۔یہ کتنی تسلی کا سامان ہے۔پھر جو چلا گیا اس سے رابطہ ہمیشہ کے لیے منقطع نہیں ہوا۔بندہ دعائے مغفرت کرتا رہے،ان کو ایصال ثواب کرتا رہے تو ہمارے تحفوں کے پیکٹ ان کے پاس پہنچتے ہیں......الحمدللہ!۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو پہنچاتے ہیں اور ان کو بتایا بھی جاتا ہے کہ فلاں نے آپ کے لیے یہ تحفہ بھیجا ہے۔زندگی میں لوگ تحفے بھیجتے ہیں،اس دنیا سے جانے کے بعد بھی تحفوں کا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔یہ تسلی کے سامان ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک صاحب ایمان کو عطا فرمائے ہیں۔یہ صرف صاحب ایمان ہی کا خاصہ ہے۔اللہ بچائے جو صاحب ایمان نہ ہو اس کے لیے تسلی کا کوئی راستہ نہیں،وہ ہاتھ ملتا ہی رہ جاتا ہے۔اس کے بعد اس کے پاس کوئی تسلی نہیں۔

الحمدللہ ایک صاحب ایمان کے لیے تسلی کا سامان موجود ہے۔اب نماز جنازہ تیار ہے،آپ سب حضرات سے درخواست ہے کہ ان کو ہمیشہ دعاؤں میں اور ایصال ثواب میں یاد رکھیں۔وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین!

انیسویں نداء

عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے گزران کرو

محمد احمد حافظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَـااَیُّهَـاالَّـذِیْـنَ اٰمَـنُـوْا لَایَـحِـلُّ لَـكُـمْ اَنْ تَـرِثُـوا النِّسَاءَ كَرْهًا، وَلَاتَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا اٰتَیْتُـمُـوْهُـنَّ اِلَّا اَنْ یَّـاْتِیْـنَ بِـفَـاحِشَةٍ مُّبَیِّـنَة، وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا (النساء:۱۹)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی، اور نہ روکے رکھو ان کو اس واسطے کہ لے لو ان سے کچھ اپنا دیا ہوا مگر یہ کہ وہ کریں بے حیائی صریح، اور گزران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح، پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آئے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔‘‘ (ترجمہ: شیخ الہندؒ)

خلاصہ:...... یہ سورہ نساء کی پہلی آیت ہے جو اہل ایمان کو مخاطب کر کے مذکور ہوئی ہے۔ سورہ نساء میں زیادہ تر عورتوں کے بارے میں احکام ذکر ہوئے ہیں، گھریلو زندگی، ازدواجی معاملات جیسے نکاح، طلاق، وراثت اور اس سے متعلق مختلف الانواع مسائل کا حل واضح کیا گیا ہے؛ جن پر عمل پیرا ہونے سے ایک مثالی اسلامی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

تحقیق لغات:......☆...... **لَایَـحِـلُّ لَـكُـمْ: حـل الشـیء حـلالاً** ...... حلال کے اصل معنیٰ گرہ کشائی کے ہیں، **حـل الشـیء حلالاً** کسی چیز کا حلال، جائز اور درست ہونا، قرآن مجید میں ہے: **وَكُـلُـوْا مِـمَّـا رَزَقَكُمَ اللّٰهُ حَلاَلًا طَیِّبًا** (المائدہ:۸۸) ’’اور جو پاکیزہ روزی تم کو اللہ نے دی ہے اسے کھاؤ۔‘‘ دوسری جگہ یوں ہے: **هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ** (النحل:۱۱۶) ’’یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔‘‘

☆...... **اَنْ تَـرِثُـوا الـنِّـسَـاءَ كَرْهًـا**:...... **الوراثة والارث**: عقد کے بغیر کسی چیز کا ایک کی ملکیت سے نکل کر دوسرے کی ملکیت میں چلے جانا۔ اسی سے میت کی جانب سے جو مال ورثاء کو منتقل ہوتا ہے اسے وراثت کہتے ہیں۔

☆...... **كَـرْهًـا**: ...... سخت ناپسندیدگی کے معنیٰ میں ہے۔ **كَـرْهٌ** (بفتح الکاف) کے معنیٰ اس مشقت کے ہیں جو انسان کو خارج سے پہنچے یا اس پر زبردستی ڈالی جائے۔ اور **كُـرْهٌ** (بضم الکاف) اس مشقت کو کہتے ہیں جو اسے ناخواستہ طور پر خود اپنے آپ سے پہنچے۔

☆...... **بِـفَـاحِشَةٍ مُّبَیِّنَة**: ...... کھلی بے حیائی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ’’فاحشہ‘‘ سے

مراد شوہر کی نافرمانی ہے اور حضرۃ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک 'زنا'، مطلب ہوگا کہ عورت اگر ناشزہ (نافرمان) ہوجائے یا زنا کا ارتکاب کرے تو شوہر کے لیے اس سے عوض خلع طلب کرنا جائز ہے۔

☆......وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ: العشیرہ......اهل الرجل الذین یتکثر بهم ......انسان کے باپ کی طرف سے قریبی رشتہ داروں پر مشتمل جماعت جیسے دادا، تایا، چچا، بھائی، بہن، کیونکہ انسان ان سے کثرت اور قوت حاصل کرتا ہے، گویا وہ اس کے لیے بمنزلہ عددِ کامل کے ہیں، عدد کامل عشرہ (دس) ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ (التوبۃ:۲۴) ''عورتیں اور خاندان کے آدمی''۔ امام قرطبیؒ نے العشرۃ کا معنیٰ مخالطت اور ممازجت فرمایا ہے۔

تفسیر:......درج بالا آیات سورۂ نساء کی ہیں، چوں کہ اس سورت میں عورتوں سے متعلق احکام ومسائل زیادہ بیان ہوئے ہیں اس لیے اس کا نام ''النساء'' رکھا گیا ہے۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کے قریب ترین عزیز اس کی بیوی کے حق دار خیال کیے جاتے تھے، چاہتے تو عورت کو خود رکھ لیتے اور چاہتے تو کسی سے نکاح پڑھوا دیتے۔ اس سلسلے میں عورت کا یا عورت کے والدین اور عزیز واقارب کے کسی حق کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ دورِ نبوت میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا کہ ابوقیس بن اسلت انصاری کا انتقال ہوگیا اور ان کی بیوہ کبشہ بنت معن انصاریہ پیچھے رہ گئی۔ ابوقیس کے بیٹے حسن نے بیوہ پر کپڑا ڈال دیا گویا کہ وہ اس کے نکاح کا وارث ہوگیا ہے لیکن اسے یونہی چھوڑے رکھا نہ قربت کی، نہ خرچ دیا، مقصد یہ تھا کہ تنگ کر کے وہ مال وصول کرلے جو ترکہ میں اسے ملا ہے، اور فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ کبشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ ابوقیس انتقال کر گیا ہے، اس کا بیٹا میرا وارث ہوگیا ہے، اب وہ نہ تو مجھے خرچ دیتا ہے اور نہ میرا راستہ چھوڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس وقت تک گھر جا کر بیٹھ کہ اللہ کا حکم تیرے متعلق نازل نہ ہوجائے، اس پر یہ آیت: (لایحل لکم ان ترثوا النساء کرها) نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اسلام 'خاندان' کی حفاظت وصیانت میں خاص دلچسپی رکھتا ہے:

درج بالا آیات میں اسلامی معاشرت کے بارے میں کئی جزئیات وارد ہوئی ہیں۔ اسلامی معاشرہ وہی کہلاتا ہے جو الٰہی احکام اور نبوی تعلیمات کی کسوٹی پر پورا اترتا ہو۔ خاندان اسلامی معاشرے کی اہم ترین اکائی ہے۔ خاندان کو قائم رکھنے کے لیے میاں بیوی کا کردار اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پیش آمدہ خاندانی مشکلات ومسائل کے بارے میں نہایت واضح احکام نازل فرمائے ہیں۔ ہم اگر ان آیات میں غور وفکر کریں اور موجودہ معاشرے پر

ایک طائرانہ نگاہ دوڑائیں تو کئی طرح کے تضادات سامنے آئیں گے۔ نام نہاد غیرت، رسم ورواج کی پابندی اور قبائلی روایات کی پاس داری کے نام سے کئی طرح کی خرافات کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ خواتین اگرچہ صنف نازک ہیں اور مرد کے ماتحت ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب انہیں کسی قسم کا حق حاصل نہیں اور مرد جیسے چاہیں عورتوں کے معاملے میں اپنی مرضی مسلط کریں[مگر خیال رہے کہ یہاں حق سے مراد انسانی حقوق نہیں جو عورت کو ناعورت بناتے ہیں بلکہ وہ حقوق شرعی مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا کیے ہیں] افسوس یہ ہے کہ قرآنی احکام جتنے واضح اور بے غبار ہیں ہم اسی قدر قرآنی طرز معاشرت سے دور ہیں، گھر گھر لڑائیاں ہیں، دنگا فساد ہے، ادھر نکاح ہوتا ہے ادھر طلاق کے لیے پرتول رہے ہوتے ہیں۔ تمام باتیں اس لیے ہیں کہ قرآنی احکام سے لوگ عمومی طور پر ناواقف ہوتے ہیں اور اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ہر طرح کے ظلم کو روا رکھتے ہیں۔

عورتوں پر ظلم کی متعدد صورتیں:

سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت میں ان مظالم کی روک تھام ہے جو اسلام سے قبل صنف نازک پر رَوا رکھے جاتے تھے۔ ان میں ......ایک ظلم یہ تھا کہ مرد لوگ عورتوں کی جان ومال دونوں کو اپنی ملک سمجھتے تھے، اور ان کے ساتھ وہ سلوک کرتے تھے جو ایک سخت گیر آقا اپنے غلام کے ساتھ روا رکھتا تھا، عورت کے ملکیتی مال کو اپنی ملکیت ہی سمجھا جاتا۔ عورت کو مال چاہے وراثت میں ملا ہو یا ہدیے میں یا میکے والوں کی طرف سے بطور تحفے کے ملا ہو بے چاری عورت اس سے محروم رہتی تھی اور سارا مال سسرال والے ہضم کر لیتے تھے۔

دوسرا ظلم یہ ہوتا کہ وہ عورت اگر کسی طور اپنے ملکیتی مال پر قبضہ کر ہی لیتی تو ایسا ماحول پیدا کیا جاتا کہ عورت اس مال کو دوسری جگہ نہ لے جاسکے۔

ظلم کی ایک اور مثال یہ ہے کہ بہت سے وڈیرے زمین دار اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی شادی محض اس خوف سے نہیں کرتے کہ لڑکی کی شادی ہوگئی تو ان کی زمین تقسیم ہو جائے گی چناں چہ وہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو گھروں میں بٹھائے رکھتے ہیں، اور اس طرح دوہرے ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں، ایک ظلما مال کو اپنے اختیار میں لینا دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عورت میں جو فطری خواہش کا جذبہ رکھا ہے اس کی تسکین کا انتظام نہ کرنا۔ جس کا نتیجہ زنا کی صورت میں نکلتا ہے۔

ایک ظلم یہ ہوتا کہ بعض اوقات کسی مرد کو اپنی بیوی پسند نہ ہوتی تو عورت کا کوئی قصور نہ ہونے کے باوجود مرد اس کے حقوق زوجیت ادا نہ کرتا مگر طلاق دے کر اس کی گلوخلاصی بھی نہ کرتا، تاکہ عورت تنگ آ کر وہ زیور جو اسے دے چکا ہے اور زرمہر واپس کر دے۔

ایک اور ظلم یہ ہوتا تھا کہ شوہر مر گیا تو شوہر کے ورثاء اس کی بیوہ کو کہیں اور نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، محض جاہلانہ عار کی وجہ سے یا مال ودولت کے لالچ میں کہ اس کے ذریعے کچھ مال وصول کریں۔

ظلم کی یہ ساری ترکیبیں معمولی ہیر پھیر کے ساتھ آج بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔قرآن مجید نے ان تمام مظالم کی قلعی کھول کر ان کے انسداد کا انتظام کیا ہے، چناں چہ فرمایا گیا:

یَاایُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا لَایَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْھًا

’’اے ایمان والو!تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم جبراً عورتوں کے مالک بن بیٹھو۔‘‘

علماء نے لَایَحِلُّ کا مطلب بیان فرمایا ہے کہ ایسا کرنا صریح گناہ اور قابل مواخذہ عمل ہے،عورت متروکہ جائیداد نہیں،اس کے ساتھ مورث کی چھوڑی ہوئی بھیڑ بکریوں کا سا معاملہ نہیں ہوسکتا،وہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے خود مختار انسان ہے،اس لیے ایسا کرنا ناجائز وحرام ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

اذا مات الزوج كانت الزوجة احق بنفسها،ولم يرث بضعها احد،وليس البضع كالمال،فينتقل بالميراث

کہ جب عورت کا شوہر انتقال کر جائے تو وہ اپنے نفس کا زیادہ حق رکھتی ہے،اس کی بضع کا کوئی وارث نہیں ہوسکتا،اس لیے کہ بضع مال نہیں ہے کہ میراث کے طور پر منتقل ہو۔

معروف طریقے سے گزران:

وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰیٓ اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا

’’اور گزران کرو اپنی عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے، پھر اگر تم کو نہ بھائیں تو شاید تم پسند نہ کرو ایک بات اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت ساری خیر۔‘‘

آیت کا یہ حصہ نہایت اہم ہے اور گویا ہماری گھریلو زندگی کے مسائل کا نہایت حکیمانہ حل ہے۔اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو وہ تراز و عطا فرمایا جس کے ذریعے تباہ ہوتے اجڑتے اور برباد ہوتے گھروں کو آسانی سے بچایا جاسکتا ہے۔معروف طریقے سے گزران کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مرد حضرات اپنی بیویوں کے راحت وسکون کا خیال رکھتے ہوئے عائلی زندگی بسر کریں۔

’’تم ان عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا برتاؤ کرو‘‘،اس جملے میں ایک بنیادی اصول وضابطہ دیا گیا ہے،یعنی

عورتوں کو نان، نفقہ، کپڑا اور مکان دے دینا کافی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی مطلوب ہے کہ ان کے ساتھ حسن معاشرت کا معاملہ کیا جائے۔ چناں چہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ...... ''وہ تمہارے لیے لباس ہیں تم ان کے لیے لباس ہو'' (البقرہ:۱۸۷)

اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ جس طرح تم مرد بیویوں کی قربت سے سکون حاصل کرنا چاہتے ہو اسی طرح وہ بھی تمہاری قربت کے ذریعے راحت وسکون حاصل کرنا چاہتی ہیں، مرد وعورت کا باہم تعلق ہے ہی محبت اور مودت کا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم:۳۱)

''اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہی میں سے جوڑے بنائے تا کہ ان سے آرام ملے اور تم (مرد وعورت) میں محبت اور ہمدردی پیدا کی''

سو مرد جہاں اپنی راحت کا خیال رکھتا ہے وہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ ویسا ہی اپنی بیوی کا بھی خیال رکھے۔ حدیث پاک میں مرد کو حاکم بتایا گیا ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مرد سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد کی رعیت میں اس کی بیوی بھی شامل ہے۔ اگر مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی قسم کا ظالمانہ سلوک کیا ہوگا تو اس بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم قرآن وحدیث میں بار بار آیا ہے چناں چہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًام بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْن (البقرۃ:۲۳۶)

''اور انہیں کچھ خرچ دو وسعت والے پر اس کی وسعت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی وسعت کے مطابق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے لازم ہے نیکی کرنے والوں پر''

خواتین میں کچھ نہ کچھ ٹیڑھ تو ہوتا ہے اس میں بھی وہ قصوروار نہیں بلکہ وہ فطری طور پر کمزور اور کم عقل پیدا کی گئی ہیں اس لیے ایسے امور کا صادر ہو جانا جو شوہر کی طبیعت پر گراں ہوں بعید نہیں لیکن اس سلسلے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فرمان ہے وہ بھی پڑھ لیجیے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر فائدہ حاصل کرنا چاہو گے تو اس کے ٹیڑھ کے ساتھ ہی فائدہ حاصل کرلو گے۔ (بخاری کتاب النکاح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی اصل فطرت بھی بیان فرما دی اور اختلاف طبائع کی صورت میں حکیمانہ حل

بھی بیان فرما دیا۔ گویا وعاشروھن بالمعروف الخ کی توضیح وتشریح فرمادی۔ میاں بیوی کا تعلق وقتی اور عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے تاوقتیکہ طلاق کے ذریعے اس تعلق کو ختم نہ کر دیا جائے، لیکن جب تک تعلق قائم ہے مردوں کو حتی الامکان بیویوں کے حق میں سراپا محبت وشفقت ہونا چاہیے۔ جائز امور میں ان کی دل داری اور غم خواری کرتے رہنا چاہیے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا والطفھم باھلہ (ترمذی)

''کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور اپنے اہل پر نرم خو ہو''

آیات واحادیث کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مرد اپنی بیویوں کے ساتھ جاہلوں اور گنواروں جیسا معاملہ نہ رکھا کریں۔ عورتوں کے مال کو دبا لینا یا ان کے حقوق زوجیت ادا نہ کرنا یا انہیں مختلف طریقوں سے تنگ کرنا سراسر شقاوت وبدبختی ہے۔ اسلامی تعلیمات یہی ہیں کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ ان کی کوئی بات ناپسندیدہ ہو تو دوسری خوبیوں پر نگاہ رکھی جائے۔ حتی الامکان گھریلو ماحول کو خوش گوار بنانے اور رکھنے کی کوشش کی جائے۔ خلاف طبع امور پیش آنے پر عورت پر ظلم وجبر نہ کیا جائے بلکہ اسے علیحدہ بٹھا کر سمجھایا جائے۔ پھر بھی اگر وہ نہ سمجھے تو خاندان کے بزرگوں کے ذریعے معاملے کو سلجھانے کی کوشش کی جائے اور حتی الامکان گھریلو زندگی کو برباد ہونے سے بچایا جائے۔ یہی منشاء قرآنی ہے۔

عورت انسانی معاشرے کی بنیادی رکن ہے، اس کا کردار معاشروں کو بناتا اور سنوارتا ہے، عورت محض تفریح طبع کا سامان نہیں بلکہ وہ نسلوں کی حفاظت وصیانت کا کام انجام دیتی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰه (النساء:۳۴)

''پس جو نیک عورتیں ہیں فرماں بردار ہوتی ہیں اور مرد کی عدم موجودگی میں اللہ کی نگرانی میں اس کے حقوق (گھر بار، عزت وناموس، اولاد) کی محافظ ہوتی ہیں۔''

مندرجہ بالا آیت کی تشریح ایک حدیث پاک سے یوں ہوتی ہے:

''تقویٰ کے بعد صاحب ایمان آدمی کے لیے بہترین چیز جو قابل استفادہ ہے نیک عورت ہے، اگر شوہر اس کو حکم کرے تو اس کے حکم کو بجا لائے، اس کو دیکھے تو خوش کر دے، اور اگر شوہر گھر میں موجود نہ ہو تو اپنی اور شوہر کے مال میں خیر خواہ بن کر رہے'' (ابن ماجہ) **(باقی صفحہ نمبر ۴۱)**

تزکیہ واحسان: کارِ نبوت کا ایک اہم شعبہ

(قسط:۲)

مولانا مفتی خالد محمود

مدیر: اقراء روضۃ الاطفال ٹرسٹ

نوٹ: اس سلسلے کی پہلی قسط ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کے شمارہ جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

ہندوستان اسلام کی دعوت اگر چہ بہت پہلے پہنچ چکی تھی اور پہلی صدی ہجری میں ہی اسلامی دستے یہاں آنے شروع ہو گئے تھے، ۹۳ھ میں عظیم جرنیل محمد بن قاسم نے اپنی شمشیر اور اخلاق سے سندھ کو مسخر کیا، اور انہی اسلامی دستوں کے ذیل میں بہت سے علماء ومشائخ اس برصغیر پاک و ہند میں آئے اور یہاں علم وارشاد کے خزانے لٹائے، مگر چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) میں جب تاتاریوں نے عالم اسلام پر یلغار کی اور ملک کے ملک ان کی وحشیانہ بربریت سے تاخت وتاراج ہوئے تو دینی مراکز، مدارس اور خانقاہیں بھی ان کے مظالم سے محفوظ نہیں رہیں اس وقت ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا جو اس فتنہ عالم آشوب سے محفوظ رہا اس لیے عالم اسلام کے علماء، مشائخ نے ہندوستان کا رخ کیا اور اسے اپنا مرکز بنایا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''عالم اسلام کے بہترین خاندان جن کو اپنا ناموس اور ایمان عزیز تھا اور بہترین دل ودماغ جو اپنے بد قسمت وطن میں سکون واطمینان سے محروم ہو گئے تھے، ہندوستان کے جدید دارالامن اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کر آئے۔ لائق ترین انسانوں اور شریف ترین خاندانوں کا یہ سیلاب ایران، ترکستان وعراق کی طرف سے بار بار امنڈ تا رہا اور ان کی وجہ سے دہلی ایک بین الاقوامی شہر اور رشکِ بغداد وقرطبہ بن گئی، نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہر اور قصبات شیراز ویمن کی ہمسری کرنے لگے۔ مورخین ہندوستان ضیاء الدین برنی وغیرہ جب ان شریف ونجیب خاندانوں، اساتذۂ وقت، علماء نامدار اور مشائخ کبار کی فہرست سناتے ہیں جو فتنہ تاتار میں ہجرت کر کے ہندوستان آ گئے تھے اور ہنگامۂ درس وتدریس اور ارشاد وتلقین گرم کیے ہوئے تھے، نیز جنہوں نے سلطنت کی نازک ترین ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں اور ملک کی زیب وزینت کا باعث تھے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالم اسلام کا جو ہر شرافت وفضیلت

یہیں آ گیا تھا۔

اس انقلاب سے ہندوستان نہ صرف عالم اسلام کا ایک اہم حصہ بن گیا تھا بلکہ تاریخ کا صاف اشارہ تھا کہ وہ اسلام کی فکری و روحانی قوت، علمی تحریکات اور احیاء وتجدید کا نیا مرکز بن رہا ہے، اور فکرِ اسلامی اور دعوت وعزیمت کے مؤرخین کو اب مسلسل کئی صدیوں تک اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرنی پڑے گی۔''

(تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ سوم، صفحہ ۲۰، ۲۱)

ہندوستان میں اگر چہ باقاعدہ پہلی اسلامی فوج محمد بن قاسم کی سربراہی میں ہندوستان (سندھ) میں داخل ہوئی مگر ہندوستان کی فتح کا اصل سہرا سلطان محمود غزنوی کے سر ہے اور اسے مستقل اسلامی سلطنت بنانے کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری کے سر ہے۔

لیکن ہندوستان کی فتح سے بہت پہلے اسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ ہندوستان پہنچ چکے تھے۔ مگر ہندوستان کی روحانی فتح چشتیہ سلسلہ کے حصہ میں آئی، سب سے پہلے خواجہ ابو محمد چشتی ہندوستان تشریف لائے لیکن جس طرح محمود غزنوی کی فتوحات کی تکمیل شہاب الدین غوری کے ہاتھوں ہوئی، اسی طرح خواجہ ابو محمد چشتی کے کام کی تکمیل اسی سلسلہ کے ایک بزرگ خواجہ معین الدین چشتی کے ذریعہ ہوئی جنہوں نے اجمیر کو اپنا مرکز بنایا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے سیر الاولیاء کے حوالہ سے لکھا ہے:

''ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارہ تک کفر وشرک کی بستی تھی، اہل تمرد 'انا ربکم الاعلیٰ' کی صدا لگا رہے تھے اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے، اور اینٹ، پتھر، درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے۔ کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے، سب دین و شریعت کے حکم سے غافل، خدا و پیمبر سے بے خبر تھے، نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدا سنی، آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدینؒ کے قدم مبارک کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نورِ اسلام سے مبدل ہوگئی ان کی کوشش وتاثیر سے جہاں شعائرِ شرک تھے وہاں مسجد ومحراب و منبر نظر آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔ اس ملک میں جس کو دولت اسلام ملی اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد دَر اولاد، نسل دَر نسل سب ان کے نامۂ اعمال میں ہوں گے اور اس میں قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرۂ اسلام وسیع ہوتا رہے گا، قیامت تک اس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجری کی روح کو پہنچتا

رہے گا۔‘‘ (تاریخ دعوت وعزیمت، جلد سوم، ص ۲۸، ۲۹)

حضرت خواجہ معین چشتی رحمۃ اللہ نصف صدی تک اسلام کی اشاعت اور داعیان اسلام کی تعلیم وتربیت میں مشغول رہے۔ حضرت علی میاں لکھتے ہیں:

’’سلسلہ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت وتبلیغ اسلام پر پڑی تھی اوراس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی یہ کثرت بہت کچھ حضرت خواجہؒ کی کوششوں اور روحانیت کی رہین منت ہے، ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہؒ کی روحانی قوت، اشراقی کمال اور عنداللہ مقبولیت کے واقعات سے مسلمان ہوئی، اس وقت تک ہندوستان جوگ واشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے بہت سے فقیر وسنیاسی اشراقی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے، ریاضیاتِ شاقہ اور مختلف مشقوں سے انہوں نے کشف وتصرف کی بڑی قوت بڑھا رکھی تھی، ان میں بہت سے لوگ اس نو وارد مسلمان فقیر کے امتحان اوراس کو زک دینے کے لیے اس کے پاس آئے، لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ یہ غریب الوطن درویش ان سے اپنی قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا ہوا ہے اور ساحرین فرعون کی طرح ان کو یہ اندازہ ہوگیا کہ اس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے، اسی کے ساتھ ان کے اخلاق کی پاکیزگی، صاف ستھری زاہدانہ اور بے طمع زندگی، ایمان ویقین کی قوت، خلقِ خدا کے ساتھ ہمدردی، اور بلاتفریق مذہب وملت، انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر مخالفین بھی معتقد اور دشمن بھی دوست ہوگئے۔ تذکرہ تصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہؒ کی اشراقی قوت اور کشف وتصرفات کے جو واقعات کثرت کے ساتھ نقل کیے گئے ہیں، اگرچہ ان کو تاریخی سند سے اور قدیم تر معاصر مآخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے لیکن ہندوستان کے اس وقت کے ذوق ورجحان اور اجمیر کی دینی وروحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلافِ قیاس نہیں، دراصل جس چیز نے حضرت خواجہؒ کا گرویدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، وہ تنہا ان کی قلبی قوت نہ تھی، بلکہ ان کی روحانیت، اخلاص واخلاق اور ان کا وہ طرزِ زندگی تھا جس کا ہندوستان کے اہل فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔‘‘

(تاریخ دعوت وعزیمت، ج سوم، ص ۱۶۶، ۱۶۷)

جب ۶۲۷ھ میں ان کا انتقال ہوا تو ان کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور ان کے خلیفہ خاص اور ان کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں اصلاح وارشاد کے کام میں مصروف تھے، جنہوں نے دارالحکومت دہلی کو اپنی تعلیم وتبلیغ کا مرکز بنایا تھا۔خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے جانشین ہوئے خواجہ فریدالدین گنج شکر۔حضرت علی میاںؒ لکھتے ہیں:

''جس طرح حضرت خواجہ معین الدینؒ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے مؤسس و بانی ہیں خواجہ فرید الدینؒ اس کے مجدد اور س سلسلہ کے آدم ثانی ہیں آپ ہی کے خلفاء، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین دہلویؒ اور حضرت شیخ علاء الدین علی صابر پیران کلیریؒ کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیلا اور ان کے خلفاء واہل سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ وقائم ہے۔''

''حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی کوششوں اور توجہات کو اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہے، ان کی مجالس اور خانقاہ میں ہر مذہب وملت کے آدمی، اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے۔''

(تاریخ دعوت وعزیمت، ج سوم، ص ۱۶۷)

حضرت خواجہ نظام الدین کا تبلیغی مساعی اور اشاعت اسلام اور لوگوں کی اصلاح وارشاد میں بہت بڑا حصہ ہے:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ، دہلی جیسے مرکزی مقام میں مسند ہدایت وارشاد پر متمکن رہے، اور ان کی خانقاہ کا دروازہ ہر انسان کے لیے کھلا رہا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے مختلف ضرورتوں اور تقریبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم آتے تھے اور اپنی خوش اعتقادی کی بنا پر حضرت خواجہؒ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے، بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت، ج سوم، ص ۱۶۸)

یہ سلسلہ ان کے خلفاء اور ان کے سلسلہ کے لوگوں کے ذریعہ برابر جاری وساری رہا۔

''چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بالواسطہ اور بلا واسطہ گرد و پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات واخوت سے جس کی فضا ان کی خانقاہوں میں قائم تھی ضرور متاثر کیا، اور ان قوموں کو جو کشف وکرامت اور روحانیت سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے، پنڈوہ کی چشتی خانقاہ اور احمد آباد اور گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے غیر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت، ج سوم، ص ۱۶۹)

لیکن جہاں ہندوستان میں اسلام کی اشاعت میں ان خانقاہوں کا عظیم کردار ہے اور لوگوں کی اصلاح و تربیت میں انہوں نے لازوال کردار ادا کیا وہاں یہ بات بھی تسلیم کیے بغیر چارہ کار نہیں کہ رفتہ رفتہ ان میں زوال آنا شروع ہوا اور یہ خانقاہیں ظاہری رسوم کی پابند ہوگئیں جن بزرگوں نے پوری زندگی توحید کا درس اور اتباع سنت پر زور دیا بعد میں وہاں بدعات پھیلنے لگیں اور شریعت وطریقت کو دو علیحدہ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک تلخ حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرور وانقلاب کے ساتھ، اس سلسلہ اوران کے بانیان کرام اور اسلافِ عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط وزوال رونما ہوا، تصوف وروحانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قوی سے ہوا، پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار کر لی، یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق، درد ومحبت، زہد وایثار، فقہ استغناء ریاضات ومجاہدات اور دعوت وتبلیغ سے ہوا تھا اس میں بتدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے۔

(۱) وحدت الوجود کے عقیدہ میں غلو، اس کی اشاعت کا انہماک اور اس کے باریک ودقیق مضامین کا اعلان وتذکرہ۔

(۲) محافلِ سماع کی کثرت، وجد ورقص کا زور۔

(۳) اعراس کا اہتمام اوران کی رونق وگرم بازاری جو شرعی حدود وقیود سے بے نیاز ہے۔

وہ اعمال ورسوم اور عقائد جن کی اصلاح کے لیے دین خالص کے یہ اولوالعزم داعی ایران وترکستان کے دور دراز مقامات سے آئے تھے، خانقاہوں کا ایسا دستور العمل بن گئے کہ غیر مسلم آبادی کے لیے یہ ایک معمہ اور سوال بن گیا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں (جن کی اصلاح کیلیے یہ مبلغین اسلام بحر وبر طے کر کے تشریف لائے تھے) عملا کیا فرق ہے؟ توحید کے لفظ کا استعمال اور دعوت، توحید وجودی کے معنی میں محدود ہو کر رہ گئی۔ سنت اور اتباع شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا، اہل ظاہر کا شعار اور حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا، شریعت وطریقت دو الگ الگ کوچے تسلیم کیے گئے جن میں نہ صرف مغائرت تھی، بلکہ تضاد، مزامیر وآلاتِ سماع جن کی مشائخ متقدمین نے اتنی شدت سے ممانعت کی تھی، داخل طریق بن گئے، درد وعشق کی جنس جو طریقۂ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس بازار میں ایسی نایاب ہوئی کہ

طالب صادق کو حسرت سے کہتے ہوئے سنا گیا کہ

''وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے''

فقر جو اس طریق کا فخر تھا شانِ امیری اور شکوہ خسروی سے تبدیل ہو گیا۔

اس سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا سانحہ یہ ہے کہ جن بندگانِ خدا کا مقصد حیات ہی خدا کے سب بندوں کا سر دنیا کے تمام آستانوں سے اٹھا کر خدائے واحد کے آستانہ پر جھکانا اور ماسوی میں اٹکے ہوئے اور پھنسے ہوئے دلوں کو نکال کر ایک خدا سے اٹکانا تھا اور جن کی دعوت اور زندگی انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات کی تفسیر تھی:

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تو اس کو کتاب اور دین کی فہم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ، خدا تعالیٰ کی توحید کو چھوڑ کر، لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب الٰہی اوروں کو بھی سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ خود بھی اس کو پڑھتے ہو اور نہ وہ یہ بات بتلاوے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو۔ بھلا وہ تم کو کفر کی بات بتلاوے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔ (سورۃ آل عمران)

انقلاب زمانہ سے خود ان کی ذات مطلوب و مقصود اور خود ان کا آستانہ مسجود و معبود بن گیا۔''

(تاریخ دعوت وعزیمت، ج سوم، ص ۱۷۲ تا ۱۷۴)

اس تمام تر انحطاط کے باوجود ہر دور میں ایسے اللہ والے پیدا ہوتے رہے جنہوں نے تصوف (تزکیہ واحسان) کو اصلی شکل میں پیش کیا، بدعات، رسوم، رواج کا رد کیا اور پوری قوت سے اس کی دعوت دی کہ شریعت وطریقت ایک ہی چیز ہے، بلکہ شریعت طریقت پر مقدم ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ چشتی سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے حالات میں لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ یحییٰ منیریؒ کا تمام تر کارنامہ یہی نہیں ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا، معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت واہمیت دل نشین کی، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشقِ الٰہی اور خدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوک ومعرفت کے اسرار ونکات اور لطیف وبلند علوم کا اظہار فرمایا، بلکہ بعض دوسرے مصلحین امت اور محققین کی طرح ان کا یہ بھی عظیم وروشن کارنامہ ہے کہ انہوں نے بروقت دین کی حفاظت کا فرض سرانجام دیا۔ مسلمانون کے دین وایمان کو غالی صوفیوں کی

بے اعتدالیوں، ملحدین کی تحریفات اور باطنیت وزندقہ کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطوں کا پردہ چاک کیا جو بد اعتقاد صوفیوں، جاہل مشائخ اور فلسفہ و باطنیت سے متاثر اشراقیین کی دعوت وتبلیغ سے ہندوستان جیسے دور افتادہ ملک میں (جہاں اسلام بہت چکر کاٹ کر پہنچا تھا اور جہاں کتاب وسنت سے براہِ راست واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شروع سے کمزور اور محدود رہے) سحر کا اثر رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے مکتوبات میں ان سب عقائد وخیالات پر ضرب لگائی، جس کے پردہ میں یہاں الحاد وزندقہ پھیل رہا تھا۔ اور اسلامی عقائد متزلزل ہو رہے تھے، اور اسلام کے عقائد صحیحہ اور اہل سنت کے مسلک کی نہایت مؤثر وطاقتور وکالت اور تبلیغ کی، وہ چوں کہ حقائق ومعارف میں بلند ترین پایہ رکھتے تھے، اشراق اور کشف وشہود کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے تھے، ریاضات ومجاہدات کی طویل ترین ودشوار ترین گھاٹیاں طے کر چکے تھے، اور اس میدان میں ان کا مرتبہ ''امامت واجتہاد'' تک پہنچنا سب کو تسلیم تھا، اس لیے اس بارے میں ان کی تصریحات وتحقیقات خاص وزن اور قیمت رکھتی ہیں اور ان کی تردید بلکہ تحقیر کسی بڑے سے بڑے صاحبِ ''اشراق کشف'' کے لیے آسان نہیں تھی۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت، ج سوم، ص ۲۹۸، ۲۹۹)

نویں صدی ہجری کے آخر اور دسویں صدی ہجری کے شروع کا زمانہ حضرت مجدد الف ثانی کا زمانہ ہے، اس زمانہ میں تصوف کے اندر نئی نئی بدعات رواج پا گئی تھیں جو زمانہ کے اثرات، عجمی قوموں کے اختلاط اور نومسلم قوموں سے میل جول کے نتیجہ میں پیدا ہو چلی تھیں، زہد وعبادت میں غلو نے تجرد و رہبانیت کے جراثیم پیدا کر دیئے تھے، بزرگوں کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم وتقدیس کی آڑ میں بہت سے خود ساختہ اعمال ورسوم اس راہ میں داخل ہو گئے تھے، اس زمانہ کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''نویں صدی ہجری میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تلامذہ کے برقی اثر سے جو عالم اسلام میں ایک تیز لہر کی طرح پھیل رہا تھا، تصوف ایک فلسفہ بن گیا، جس میں یونانی فلسفہ الٰہیات کی بہت سی اصطلاحیں اور مسائل شامل ہو گئے، وحدۃ الوجود اہل تصوف کا شعار اور سرمایہ افتخار بن گیا، اور خانقاہوں سے لے کر مدرسوں تک اسی کا دم بھرا جانے لگا، کتاب وسنت سے عدم اشتغال اور فن حدیث سے ناواقفیت اور اس کی صحیح اور مستند کتابوں سے محرومی کی بنا پر خانقاہیں ایسے عقائد واعمال کی آماجگاہ بن گئیں جن کی سند دین کے اصلی ماخذوں سے ملنا مشکل اور جن سے قرونِ اولیٰ کے مسلمان یکسر نا آشنا تھے۔

ادھر ہندوستان میں جو ہزاروں برس سے جوگ اور سنیاس کا مرکز تھا، مسلمان صوفیوں کا واسطہ ان

مرتاض جوگیوں سے پڑا جنہوں نے اپنے خیال اورنفس کی قوت حبس دم اورآسنوں کے ذریعہ بہت بڑھالی تھی بعض مسلمان صوفیوں نے ان سے یہ علم حاصل کیا، دوسری طرف (گجرات کا مستثنیٰ کرکے جہاں علمائے عرب کی تشریف آوری اور حرمین شریفین کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہوچکی تھی، اور علامہ علی متقی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر پٹنی پیدا ہوئے تھے) یہ ملک صحاح ستہ اسور اوران مصنفین کی کتابوں سے نا آشنا تھا جنہوں نے نقد حدیث اور رد بدعت کا کام کیا، اور سنت صحیحہ اور احادیث کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں اور تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مقبول مشہور شیخ محمد غوث شطاری گوالیاری کی مقبول کتاب ''جواہر خمسہ'' میں دیکھا جاسکتا ہے جس کی بنیادزیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل وسیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔''

(تاریخ دعوت وعزیمت، ج چہارم، ص ۲۴۳،۲۴۲)

حالاں کہ مشائخ طریقت شروع سے ہی سب سے زیادہ اتباع شریعت اور سنت کی پابندی پر زور دیتے چلے آئے ہیں اوران کے نزدیک قولاً، فعلاً، حالاً ہر حیثیت سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام ہی تصوف ہے۔

بہر حال ان نازک اور نا گفتہ بہ حالات میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تجدیدی کام شروع ہوا اور انہوں نے ان تمام خرافات کا سختی سے رَد کیا اور شریعت و اتباع سنت پر زور دیا۔ کیوں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ دیکھ رہے تھے کہ سنت کا نور مٹ رہا ہے اور بدعات کی تاریکی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے چنانہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اس وقت عالم میں بدعات کا اس کثرت سے ظہور ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ظلمات کا دریا امنڈ رہا ہے، اور سنت کا نور اس مواج دریا میں اس کے مقابلہ میں اس طرح ٹمٹمار ہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں کہیں کہیں جگنو اپنی چمک دکھار ہے ہیں۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت، ج چہارم، ص ۲۴۵)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کن حالات میں اور کس طرح کام کیا اس کی ایک جھلک حضرت علی میاںؒ کی تحریر میں ملاحظہ کیجیے:

''حضرت مجددؒ نے اس نازک دور میں کہ ہندوستان میں مسلمان سلطنت کے ہاتھوں اسلام کی بیخ کنی اور خانقاہوں میں سنت کی ناقدری کی جارہی تھی، اور صاف صاف کہا جارہا تھا کہ ''طریقت وشریعت دو

الگ الگ کوچے ہیں، جن کی راہ ورسم ایک دوسرے سے جدا اور جن کا قانون ایک دوسرے الگ ہے، اور جہاں کسی صاحب علم طالب حق کو جو کبھی کسی امر کا شرعی ثبوت پوچھنے کی جرأت کر دیتا تھا یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا تھا:

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ رسم منزلہا

پوری بلند آہنگی سے آواز لگائی کہ ''طریقت تابع وخادم شریعت ہے، کمالات شریعت احوال ومشاہدات پر مقدم ہیں، ایک حکم شرعی عمل پر ہزار سالہ ریاضت سے زیادہ نافع ہے، اتباعِ سنت خواب نیمروز (قیلولہ) احیائے لیل (شب بیداری) سے افضل ہے، حلت وحرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں، کتاب وسنت اور کتب فقہ کی دلیل چاہیے، اہل ضلالت کی ریاضتیں موجب قرب نہیں باعث بُعد ہیں، صور واشکال غیبی داخل لہولعب ہیں، تکلیف شرعی کبھی ساقط نہیں ہوتی۔''

(تاریخ دعوت وعزیمت، ج چہارم، ص۲۴۵، ۲۴۶)

''مجدد صاحب کی یہ حمایت، شریعت، حمیت کے درجہ تک پہونچ گئی تھی، اور جب وہ کتاب وسنت اور جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف کوئی صوفیانہ تحقیق یا حال سنتے اور اس کی سند تصوف کی کسی کتاب یا بزرگوں کے احوال واقوال سے لائی جاتی تو ان کی رگِ فاروقی حرکت میں آجاتی اور ان کے قلم سے حمایت شریعت اور غیر سنت کا طوفان امنڈ پڑتا، کسی خادم نے کسی بزرگ (شیخ عبدالکبیر یمنی) کا کوئی ایسا ہی شاذ اور وحشت انگیز قول نقل کیا تھا، مجدد صاحب اس کی تاب نہ لا سکے، اور ان کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے:

''مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں، بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے، اور تاویل وتوجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے، نہ کہ کلام محی الدین بن عربی، صدر الدین قونوی اور شیخ عبدالرزاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے...... فتوحات مدنیہ نے فتوحات مکیہ سے مستغنی بنا دیا ہے۔''

(تاریخ دعوت وعزیمت، ج چہارم، ص۲۵۰، ۲۵۱)

(باقی آئندہ)

علم وحکمت کے بے مثال نمونے

مولانا بدرالحسن القاسمی

''دین'' کے ساتھ ''دانش'' کا ملنا اللہ کی بڑی نعمت ہے، حقیقی معنوں میں ''دانشور'' کہلانے کا مستحق تو وہی ہے؛ جس کی نظر انجامِ کار پر ہو اور محض دنیا کی چمک دمک پر ریجھ نہ گیا ہو؛ بلکہ اس نے اپنی زندگی میں دین و دنیا کا توازن برقرار رکھا ہو اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہو؛ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس وقت ''دانشور'' کا اطلاق ان لوگوں پر کیا جانے لگا ہے؛ جو دینی تقاضوں سے غافل، دینی معلومات سے بے بہرہ؛ لیکن دنیا کے معاملہ میں شاطر اور چالاک ہوں، وہ لوگ جو مال و دولت یا جاہ وشوکت میں دوسروں سے امتیاز رکھتے ہوں، خواہ وہ آخرت کے تقاضوں کو فراموش کر کے کتنی ہی بے دانشی کا ارتکاب کیوں نہ کر رہے ہوں۔

انسان کا دماغ ایمان کے نور سے منور اور دل اخلاص سے معمور ہو؛ تو اس کی زبان سے حکمت ودانائی کی ایسی باتیں نکلنے لگتی ہیں؛ جن کو سن کر لوگوں کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور لوگ ان کی ذہانت وذکاوت پر واہ وا کرنے لگتے ہیں۔

آیئے! ذیل میں چند حقیقی ''دانشوروں'' کی زبان سے جاری ہوئے حکمت ریزوں کا جائزہ لیتے ہیں:

قاضی یحییٰ بن اَکثم:......تاریخِ اسلامی کے ایک نامور عالم، فقیہ اور ماہر ونکتہ رَس قاضی گزرے ہیں، ان کی عمر صرف ۲۰ رسال کی تھی، جب انھیں بصرہ کا قاضی متعین کیا گیا تھا، چناں چہ جب وہ اپنے عہدے کا چارج لینے کے لیے بصرہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے انھیں کمسن سمجھ کر مذاق اڑانا چاہا، ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت قاضی صاحب کا سن شریف اس وقت کیا ہے؟ یا آپ کی کتنی عمر کے ہیں؟ قاضی یحییٰ چوں کہ بلا کے ذہین اور حاضر جواب تھے، انھوں نے کہا کہ:

''میری عمر اس وقت حضرت عتاب بن اسیدؓ سے زیادہ ہے؛ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کا قاضی متعین فرمایا تھا، اور میری عمر اس وقت حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی زیادہ ہے، جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا اور میری عمر حضرت کعب بن ثورؓ سے بھی زیادہ ہے جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجا فرمایا تھا''۔

ان کے علم اوران کی ذہانت پرمبنی اس جواب کے بعد اب کس میں ہمت تھی کہ ان کی کمسنی پر اعتراض کرے یا ان کا مذاق اڑائے؟ انھوں نے اپنے پیش روتین ایسے قاضیوں کے نام لیے جن کی عمریں قضاء کے منصب پر فائز ہونے کے وقت ان سے کم تھیں، پھر نہایت کامیابی سے انھوں نے اپنے منصب کے تقاضوں کو پورا کیا؛ چناں چہ کامیاب ترین قاضیوں میں ان کا شمار ہوا۔

قاضی یحییٰ بن اکثم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ:

عزت مآب قاضی صاحب! مجھے کتنا کھانا چاہیے؟

انھوں نے برجستہ کہا کہ: ''بھوک سے زیادہ اور شکم سیری سے کم''۔

پھر اس نے سوال کیا کہ مجھے کتنا ہنسنا چاہیے؟

''اتنا کہ جس سے تمہارے چہرے پر بشاشت ظاہر ہوجائے اور زیادہ آواز نہ نکلے''۔

پھر اس نے کہا کہ مجھے کتنا رونا چاہیے؟

قاضی صاحب نے کہا کہ: اللہ کے خوف سے رونے سے اکتایا نہ کرو''۔

پھر اس سر پھرے نے کہا کہ مجھے اپنے اچھے عمل کو کس حد تک چھپانا چاہیے؟

قاضی صاحب نے فرمایا کہ: جتنا چھپا سکو۔

اس نے کہا کہ کتنا ظاہر کرنا چاہیے؟

تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ: اتنا جس سے دوسروں کو نیکی کی ترغیب ہو اور تمہارے بارے میں لوگ چہ میگوئیاں نہ کریں۔ (طبقات الحنابلہ ۱/۴۱۲)

اس سے بھی قاضی یحییٰ بن اکثم کی بے پناہ ذکاوت اور غیر معمولی حاضر جوابی کا اندازہ ہوتا ہے، یعنی اللہ نے ان کو علم دین کے ساتھ ''دانش'' کی دولت سے بھی بہرہ ور کیا تھا۔

<u>امام احمد بن حنبلؒ:</u>...... نامور محدث اور فقیہ گزرے ہیں، ان کا شمار چار معتمد فقہی دبستانوں میں سے ایک کے بانیوں میں ہوتا ہے، انھوں نے مسند احمد بن حنبل کے نام سے چالیس ہزار حدیثوں پر مشتمل ایک گراں قدر مجموعہ مرتب فرمایا، انھوں نے فتنہ خلق قرآن کے موقع پر غیر معمولی عزیمت کا ثبوت دیا، ان کے بیٹے عبداللہ کا بیان ہے کہ میں ایک دن اُن کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ''کرخ'' کے رہنے والوں کا ایک قافلہ آیا اور انھوں نے خلفائے راشدین کی خلافت کے بارے میں اور خاص طور پر حضرت علیؓ بن ابی طالب کے بارے میں بحث و گفتگو شروع

کردی، امام عالی مقام سے یہ بات برداشت نہ ہوسکی، انھوں نے فرمایا کہ:

قد أکثرتم القول في علي و خلافة علي، إن الخلافة لم تزین علیاً بل علي زینها.

''تم لوگوں نے حضرت علی اور ان کی خلافت کے بارے میں غیر ضروری باتیں شروع کردی ہیں، یاد رکھو کہ خلافت نے حضرت علیؓ کی شان نہیں بڑھائی؛ بلکہ حضرت علیؓ کی وجہ سے خلافت کی شان میں اضافہ ہوا تھا۔''

امام احمد کی اس تنبیہ نے لوگوں کی زبانیں بند کردیں اور فتنہ رفع دفع ہوگیا، اور حقیقت یہ ہے کہ گزرے ہوؤں کی تاریخ پر تنقید وتبصرہ میں ہمہ وقت مشغول رہنے والوں کو قرآن کی اس حکیمانہ ہدایت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ:

تِلْکَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَاتُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْن.

''یہ وہ قوم ہے جو گزر چکی، اس کے لیے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم عمل کروگے اور ان کے اعمال کے بارے میں تم سے باز پرس نہیں ہوگی۔''

اور خاص طور پر صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو نقد وطعن کا نشانہ بنانا دین کے بھی منافی ہے اور ''دانش'' کے بھی۔

<u>عبداللہ بن المبارک:</u>......اپنے علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور جذبہ جہاد واخلاص کے لحاظ سے اسلامی تاریخ میں امتیازی شان رکھتے تھے، ان سے کسی نے سوال کیا کہ کب تک آپ علمی مشغلہ جاری رکھیں گے؟ اور علمی مسائل لکھتے رہیں گے؟ تو انھوں نے کہا کہ:

لعل الکلمة التي أنتفع بها لم أکتبها بعد. (سیر أعلام النبلاء ۸/۳۶۰)

''شاید کہ جو بات میرے لیے نفع بخش ہو وہ ابھی میں نے لکھی ہی نہ ہو۔''

یعنی یہ کام تو مرتے دم تک جاری رہنے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ ''علم'' سے نفع بھی انسان کو اسی وقت پہنچتا ہے جب وہ صحیح نیت رکھتا ہو؛ ورنہ اس کے علم سے دوسرے تو مستفید ہوسکتے ہیں؛ لیکن خود اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، بڑے بڑے سائنس دانوں کی ایجادات سے ایک دنیا فائدہ اٹھارہی ہے؛ لیکن خود ان کو اس دنیا کی دولت وشہرت کے علاوہ ابدی زندگی کی راحت اسی وقت مل سکتی ہے جب وہ حقیقت کی دریافت میں کامیاب ہوگئے ہوں اور دل ایمان کے نور سے معمور ہوگیا ہو۔

امام عبداللہ بن المبارکؒ کا ایک قدم حصول علم کے لیے اٹھتا تھا تو دوسرا جہاد اور اللہ کی راہ میں قتال کے لیے، ان کا ایک زریں ارشاد یہ بھی ہے کہ:

''جب کسی شخص کی اچھائیاں اس کی برائیوں پر غالب آجائیں تو اچھائیوں کا ذکر نہیں کیا جاتا، اسی طرح اگر

اس کی برائیاں اچھائیوں پر غالب آ جائیں تو اچھائیاں چھپ جایا کرتی ہیں۔(المحاسن ۸/۳۵۲)

دین نے انسانوں کو دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے منع نہیں کیا ہے؛ البتہ نعمتوں کے استعمال میں فضول خرچی واسراف اور نمود ونمائش سے ضرور منع کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے:

کل ما شئت ,والبس ما شئت ما أخطأتک خصلتان: سرف و مخیلة.

''تمہارا جو جی چاہے کھاؤ اور جو چاہو پہنو بشرطیکہ تم میں دو خصلتیں نہ ہوں: فضول خرچی اور دوسرے تکبر و خودنمائی۔''

میمون بن مہران کا کہنا ہے کہ:......''مال کے معاملہ میں پہلی بات تو ضروری یہ ہے کہ پاک اور حلال ہو، دوسرے یہ کہ انسان پر جو مالی حقوق ہیں، ان کی ادائیگی میں انسان چاق و چوبند رہے، تیسرے یہ کہ اِسراف اور فضول خرچی سے باز رہے، یہ تینوں امور اگر صحیح ہوں تو آدمی کامیاب کہلا سکتا ہے''۔

''دین'' بھی یہی کہتا ہے اور ''دانش'' کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آدمی ''مال'' کو اللہ کی نعمت سمجھے، سیر چشمی کے ساتھ مال کو برتے اور حلال وحرام کے درمیان تمیز کو بھی ترک نہ کرے، ''روزی'' کی مقدار اللہ نے طے کر دی ہے، ''حرام'' کی آمیزش سے اس میں اضافہ نہیں ہوگا؛ بلکہ ایسا کرنا اصل کی بھی تباہی کا ذریعہ بن جائے گا، اس لیے روزی کی طلب میں ''خوش اسلوبی'' کی راہ اپنانی چاہیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (أجملوا فی الطلب) کا مطلب بھی یہی ہے، یعنی طلبِ رزق میں خوش اسلوبی اختیار کرو۔

مشہور نیک خصال بزرگ معروف کرخیؒ فرماتے ہیں:

إذا أراد اللّٰه بعبد خیراً فتح علیه باب العمل، وأغلق عنه باب الجدل، وإذا أراد بعبد شراً أغلق علیه باب العمل، وفتح علیه باب الجدل . (حلیۃ الأولیاء ۸/۳۶۱)

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتا ہے؛ تو اس کے لیے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور کج بحثی کی راہ بند کر دیتا ہے اور اگر کسی بندہ کے لیے برائی کا فیصلہ کرتا ہے تو اس پر عمل کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور کج بحثی کی راہ کھول دیتا ہے۔''

اور حقیقت یہی ہے کہ جو قوم ترقی اور عروج کی راہ پر گامزن ہو اس کی قوتِ عمل بڑھ جایا کرتی ہے اور لایعنی بحثوں، غیر ضروری مناظرہ بازیوں سے وہ باز رہا کرتی ہے؛ جب کہ رو بہ زوال قوم تعمیری کاموں اور اچھے عمل سے دور اور روز وشب غیر ضروری بحثوں اور کٹ حجتیوں میں مشغول رہا کرتی ہے اور عام لوگ ہی نہیں، پڑھے لکھے حضرات اور علمائے دین بھی مرغوں کی طرح ''چونچ زنی'' اور مینڈھوں کی طرح ''سینگ بازی'' کے ذریعہ اربابِ دنیا کی

خوشنودی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں؛ جو ''دین'' کی تعلیمات کے بھی منافی ہے اور عقل و دانش کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔

امام عبدالرحمٰن ابن الجوزیؒ:...... تاریخ اسلام کی نامور شخصیتوں میں سے ہیں، مفسر، محدث، فقیہ ہونے کے ساتھ بلند پایہ واعظ اور ادیب بھی تھے، ان کے وعظوں میں بلا کی تاثیر ہوا کرتی تھی، ان کی تقریروں میں عام لوگوں کے ساتھ علماء اور امراء بھی ذوق وشوق سے شرکت کیا کرتے تھے اور ان کی وعظ کی مجلسوں سے ہزاروں افراد اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اٹھتے تھے۔ ان کے بارے میں علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

كان رأسا في التذكير بلا منازعة، يقول النظم الرائق، والنثر الفائق بديهاً، ويسهب ويعجب ويطرب ويطنب، لم يأت قبله ولا بعده مثله، فهو حامل لواء الوعظ والقيم بفنونه.

''واعظوں کے سرخیل اور خطیبوں کے پیشوا تھے، ان کا کوئی مثیل نہیں تھا، نہایت شاندار نظم اور بڑی شگفتہ نثر فی البدیہہ لکھنے اور کہنے پر قادر تھے، لمبی تقریر کرتے اور دلوں کو جیت لیا کرتے تھے اور ان کی طویل گفتگو پر لوگ وجد کرنے لگتے تھے، اس فن میں نہ تو ان سے پہلے کوئی ان کا ہم پلہ شخص آیا اور نہ ان کے بعد، وہ یقیناً وعظ ونصیحت کے میدان کے شہسوار اور اس کی انواع واقسام پر دسترس رکھنے والے عظیم انسان تھے۔''

ان کے نواسے ابوالمظفر کا بیان ہے کہ:

سمعت جدي على المنبر يقول: كتبت بأصبعي هاتين ألفي مجلدة، وتاب على يدي مأة ألف، وأسلم على يدي عشرون ألفا. (سیر أعلام النبلاء ۲/ ۳۶۷)

''میں نے اپنے نانا کو ممبر پر یہ کہتے سنا کہ میں نے اپنی ان دو انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں اور میرے ہاتھوں پر ایک لاکھ آدمی تائب ہوئے اور کم از کم بیس ہزار افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔''

علامہ ابن جوزیؒ سے جو حکیمانہ باتیں منقول ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ:

من قنع طاب عيشه، و من طمع طال طيشه. (۳۷۲/۲۱)

''جو شخص قناعت کو اپنا شیوہ بنالے اس کی زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے اور جو حرص وآرزو کا غلام بن جائے اس کی پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں۔''

اپنے وقت کے ایک حکمراں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يا أمير! أذكر عند القدرة عدل الله فيك، وعند العقوبة قدرة الله عليك، ولا تشف

غيظك بسقم دينك .(۳۷۱/۲۱)

''اے شاہزادے! قدرت کے وقت اپنے بارے میں اللہ کے عدل کوفراموش نہ کیا کرواور سزا دیتے وقت اپنے اوپر اللہ کی قدرت کو نہ بھولا کرواور اپنے غصہ پر عمل کر کے اپنے دین کو خراب نہ کیا کرو۔''

ایک شخص نے امام ابن الجوزیؒ سے کہا کہ آپ کی مجلسِ وعظ کے شوق میں رات مجھے نیند نہیں آئی تو بجائے خوش ہونے کے انھوں نے کہا کہ:

لأنک تريد الفرجة، و إنما ينبغي أن لاتنام الليلة.

''یہ اس وجہ سے تھا کہ تم تماشا دیکھنا چاہتے ہو؛ ورنہ چاہیے تو یہ تھا کہ (تقریر سننے کے بعد) تم آج کی رات نہ سوتے۔''

خلیفہ وقت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

إن تكلمت خفت منک، وإن سكتّ خفت عليک، وأنا أقدم خوفي عليک على خوفي منک، فقول الناصح: اتق الله خير من قول القائل: أنتم أهل بيت مغفور لكم .(۳۲۲/۲۱)

''اگر میں (حق بات) بولوں تو آپ سے ڈر لگتا ہے اور خاموش رہوں تو آپ کے بارے میں اندیشہ ہوتا ہے؛ اس لیے میں آج آپ سے خوف پر آپ کے بارے میں خوف کو ترجیح دیتا ہوں؛ کیوں کہ کسی نصیحت کرنے والے کا یہ کہنا کہ: اللہ سے ڈرو، اس سے بہتر ہے کہ وہ کہے کہ آپ تو ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جن کی مغفرت ہو چکی ہے، آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں ہے۔''

بادشاہِ وقت کو نصیحت کرنے کے لیے اس بلیغ تمہید سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کو دلوں تک پہنچنے کا کیسا بے پناہ ملکہ دیا تھا اور کیسا بیش بہا نسخہ عطا فرمایا تھا اور ان میں ''دین'' کے ساتھ ''دانش'' اور علم کے ساتھ ''جرأت'' اور ''بے باکی'' کو کس طرح جمع کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

مقالات ومضامین

دینی تعلیم کے جدید تقاضے

مولانا زاہدالراشدی

اس وقت کے عمومی حالات کے پیش نظر دینی تعلیم کے معروضی تقاضوں کے حوالے سے جو ضروریات محسوس کی جارہی ہیں ان کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کر رہا ہوں، اس خیال سے کہ دینی تعلیم کے نظام سے عملی طور پر وابستہ حضرات ان پر غور فرمائیں اور انہیں اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں کسی نہ کسی جگہ ایڈجسٹ کرنے کی عملی صورتیں تلاش کریں، کیونکہ ان ضروریات کو محسوس کرنا اور انہیں پورا کرنے کی عملی شکلیں تلاش کرنا بہرحال ہماری ہی ذمہ داری بنتی ہے۔ ان میں سے بیشتر ضروریات ایسی ہیں جن کی طرف اکابر علماء دیوبند نے بھی اپنے اپنے دور میں اور اپنے اپنے انداز میں توجہ دلائی ہے اور ان ضروریات کی تکمیل کی راہ ہموار کرنے کی ہمیں وقتاً فوقتاً تلقین فرمائی ہے، مثلاً:

غیر مسلموں تک دین کی دعوت اور اسلام کا تعارف پہنچانے کی ذمہ داری ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اور اس میں ان مسلمانوں اور خاص طور پر علماء کرام اور دینی مدارس ومراکز کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے جو غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں رہتے ہیں کہ وہ اپنے اردگرد رہنے والے غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرائیں، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور تعلیمات کی پہچان کرائیں، اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ وہ جس سال دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے بخاری شریف پڑھ کر دورہ حدیث سے فارغ ہوئے تو حضرت شاہ صاحب نے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام سے فرمایا کہ دنیا تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے انگریزی زبان سیکھنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر باقی دنیا کے ساتھ اسلام کی بات کرنا آج کے زمانے میں مشکل ہے۔

دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کی تعلیم ضروری ہونے کی بات سب سے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اس دور میں کی جب وہ ابھی دارالعلوم دیوبند میں صدارت تدریس کی ذمہ داری کے لیے تشریف نہیں لائے تھے اور سلہٹ (بنگلا دیش) میں قیام پذیر تھے۔ انہوں نے اس دور میں آسام کے دینی مدارس کے لیے ابتدائی تعلیم سے لے کر دورہ حدیث تک پورے اٹھارہ سال کا تعلیمی نصاب مرتب کیا جو شائع شدہ موجود ہے۔ اور اس میں دینی علوم کے ساتھ ضروری عصری علوم مثلاً سائنس، ریاضی، انگلش، معاشرتی علوم اور ٹیکنالوجی وغیرہ کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے مگر حضرت مدنیؒ کے دارالعلوم دیوبند تشریف لے جانے کی وجہ سے آسام میں انہیں اس

تجربہ کا موقع نہ مل سکا، البتہ ان کا مرتبہ کردہ یہ مشترکہ نصاب آج بھی مطبوعہ صورت میں موجود ہے۔

امت کو عمومی طور پر دین کی طرف واپس لانے کی جدوجہد کا آغاز حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے کیا جو آج پوری دنیا میں پھیل رہی ہے۔ دین کے اعمال اور ماحول کی طرف دنیا بھر کے مسلمانوں کی واپسی کی اس جدوجہد میں شرکت اور اسے صحیح سمت آگے بڑھانے کے لیے راہنمائی کا کام بھی علماء کرام اور دینی مدارس کی ذمہ داریوں کے دائرہ سے باہر نہیں ہے، اور ہم سب کو اس ضرورت کا احساس کرنا چاہیے۔

فقہائے کرام نے دین کی تعلیم کے دو درجے بیان کیے ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ۔ فرض کفایہ کے دائرہ میں تو دینی مدارس بہت اہم کردار ادا کر رہے ہیں کہ امت کو علماء کرام، ائمہ، خطباء، مدرسین، حفاظ، قراء، مفتیان کرام اور مبلغین تیار کر کے دے رہے ہیں، مگر فرض عین کے دائرہ میں کہ ہر مسلمان مرد اور عورت دین کی ضروریات سے بہرصورت آگاہ ہو، اس کے لیے ہمارا کوئی منظم اور مربوط کام موجود نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ نے ''ملفوظات علامہ انور شاہ کشمیری'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ماضی کے فقہائے کرام نے صرف دیارِ اسلام کے مسائل لکھے ہیں اور دیارِ کفر کے نہیں لکھے، اس لیے اب ہمیں پریشانی ہوتی ہے۔ شاید وہ سمجھتے ہوں کہ مسلمانوں کو دیارِ کفر میں رہنا ہی نہ پڑے گا۔ اب ضرورت ہے کہ دیارِ کفر کے لیے جو اسلامی احکام ہیں وہ بھی مدون کر دیے جائیں کیونکہ اسلامی احکام میں بڑا توسع ہے۔ اس میں جہاں دیارِ اسلام کے لیے احکام ہیں، دیارِ کفر کے لیے بھی ہیں، خاص طور پر فقہ حنفی میں یہ توسع بہت زیادہ ہے۔

مولانا بجنوریؒ نے اس کے ساتھ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کا یہ ملفوظ بھی نقل کیا ہے کہ ایسے ہی فقہاء نے صرف قضا کے مسائل لکھے ہیں اور دیانت کے مسائل سے صرف نظر کر لی ہے، یہ بھی بڑی کوتاہی ہوئی ہے جس پر آج کے فقہاء کرام کو کام کرنا چاہیے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے ''حیات مفتی اعظم'' میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں قدیم فلسفہ رائج تھا، جدید فلسفہ شامل نصاب نہ تھا، استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے درس حدیث کے دوران کئی طلبہ سے فرمایا کہ پہلے زمانہ میں ہمارے اسلاف نے قدیم فلسفہ پڑھ کر اس کا رد کیا کہ اس وقت وہی رائج تھا، لیکن آج کل قدیم کی جگہ جدید فلسفہ نے لے لی ہے، اب دنیا میں یہی فلسفہ رائج ہے، اس لیے جدید فلسفہ ضرور پڑھنا چاہیے تاکہ نئے فتنوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس ارشاد گرامی کی وضاحت میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہمارے علم عقائد وکلام کے

اکثر مباحث معتزلہ وغیرہ کے ساتھ یونانی فلسفہ کے مسائل کے حوالے سے ہیں۔ اپنے ماضی کے علمی ورثہ اور اعتقادی نظام کے ساتھ وابستگی کے لیے ان کی تعلیم ضروری ہے، لیکن آج کے دور میں یونانی فلسفہ متروک ہو چکا ہے، اس کی جگہ مغرب کے جدید فلسفہ نے لے لی ہے جو انسانی حقوق اور آزادی کا فلسفہ کہلاتا ہے اور آج کے اعتقادی اور فکری مباحث زیادہ تر اسی فلسفہ کے پیدا کردہ ہیں۔ اس لیے مغربی فلسفہ کی تعلیم کو دینی تعلیم کے نصاب میں شامل کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح یونانی فلسفہ کو شامل کرنا ضروری تھا۔ پرانے دور میں ہمیں معتزلہ کی عقلیات کا سامنا تھا لیکن آج کے دور میں ہمیں سیکولر اور حقوق پرست حلقوں کی عقلیات سے سابقہ درپیش ہے، جس کا مقابلہ کرنے کے لیے سیکولر فلسفہ اور ہیومنیٹی کے جدید نظام کو سمجھنا اور اس پر عبور حاصل کرنا ہماری ذمہ داری ہے، تاکہ اسے اسی کی زبان میں رد کیا جا سکے۔ میری طالبعلمانہ رائے میں علامہ تفتازانیؒ کی ''شرح العقائد'' کی دوسری جلد (جدید علم کلام پر مشتمل) لکھ کر اسے نصاب میں شامل کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

مغربی فلسفہ کے اسکالرز کی طرف سے اسلامی احکام وتعلیمات پر جو علمی اور فکری اعتراضات پیش کیے جارہے ہیں ان کی طرف سنجیدہ توجہ اور منظّم محنت کی ضرورت ہے، کیونکہ نئی نسل کے فکری ارتداد کا بڑا سبب یہی اشکالات و اعتراضات بن رہے ہیں، جبکہ کوئی معقول جواب نہ ملنے کے باعث یہ اعتراضات ان کے ذہنوں میں پختہ ہوتے جارہے ہیں۔

تشکیک آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے اور نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی اکثریت اس کا شکار ہے۔ یہ فکری ارتداد ہے جس کے بارے میں حضرت علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''ردۃ ولا ابابکر لھا'' کے عنوان سے کتابچہ لکھ کر اس کی طرف توجہ دلائی تھی۔ یہ فکری ارتداد روز بروز بڑھتا جارہا ہے، اس کی بنیاد علم کی کمی اور معلومات کی وسعت پر ہے۔ معلومات کا دائرہ مسلسل وسیع ہوتا جارہا ہے جبکہ علم کا دائرہ سمٹ رہا ہے۔ اس کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینے، اس کے اسباب معلوم کرنے اور نئی نسل کو اس سلسلہ میں علمی وفکری راہنمائی مہیا کرنے کے مربوط نظام کی ضرورت ہے، مگر ہمارے دینی مدارس ومراکز اس پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ نہیں دے رہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے کہ ''متکلمین نے جو علم کلام مدون کیا ہے اس میں سب کچھ موجود ہے کیونکہ انہی کے مقرر کردہ اصولوں پر سارے شبہات کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے اور اسی (قدیم) ذخیرے سے علم کلام جدید کی بھی باآسانی تدوین ہو سکتی ہے۔ میں نے بطور خود ہی بعض شبہات جن کا مجھے علم تھا، جواب لکھ کر ''الانتباھات المفیدہ عن الاشتباھات الجدیدہ'' کے نام سے شائع کر دیا ہے اور اس میں ایسے اصول موضوع قائم کر دیے ہیں جن سے میرے نزدیک اس قسم کے جتنے شبہات بھی

ہوں، بسہولت رفع کیے جاسکتے ہیں۔'' (الاضافات ج۹) لیکن حضرت تھانویؒ یہ بھی اس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ''اب مجھ میں قوت کہاں، کام کے لوگ موجود مگر کام نہ کریں تو اس کا کیا علاج ہے۔ آرام طلبی سے کام نہیں ہوتا، کام تو کرنے سے ہوتا ہے، مجھ سے برا بھلا جیسا ہوسکا دین کی ضروری خدمات کرچکا، اب جو اور کام باقی ہے اس کو اور لوگ کریں، کیا وہ نہیں کرسکتے؟ مجھ سے اچھا کرسکتے ہیں، لیکن اگر خوامخواہ واجد علی شاہ بن جائیں تو اس کا علاج ہی نہیں ہے۔'' (الاضافات ج۹)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ حضرت تھانوی علم کلام کے قدیم ذخیرے میں ساری باتیں موجود ہونے کے باوجود ''جدید علم کلام'' کی تدوین کی ضرورت محسوس کررہے ہیں اور اس کا انہوں نے آغاز بھی کردیا تھا لیکن ان کا شکوہ ہے کہ کام کو آگے بڑھانے کے لیے جو کچھ ہونا چاہیے وہ نہیں ہورہا اور جو لوگ کرسکتے ہیں وہ آرام طلبی کا شکار ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا ایک اور شکوہ بھی ملاحظہ کرلیجئے، وہ فرماتے ہیں کہ ''یہ میری بہت پرانی رائے ہے اور اب تو رائے دینے سے بھی طبیعت افسردہ ہوگئی ہے، اس لیے کہ کوئی عمل نہیں کرتا۔ وہ یہ ہے کہ تعزیرات ہند کے قوانین اور ڈاکخانہ اور ریلوے کے قواعد بھی مدارس اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہونے چاہئیں، یہ بہت پرانی رائے ہے مگر کوئی نہیں مانتا اور نہ سنتا ہے۔'' (الاضافات الیومیہ ج۶ ص۵۳۴)

زبانوں کا مسئلہ بھی عجیب سا ہوگیا ہے کہ انگریزی زبان میں معیاری گفتگو اور تحریر کی بات تو رہی ایک طرف، بعض اداروں کی استثنا کے ساتھ ہمارے بیشتر مدارس میں عربی زبان میں خطابت اور مضمون نویسی کی مشق کا کوئی نظم موجود نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اکثر فضلاء عربی زبان میں باہمی گفتگو، کہیں بیان کرنے یا کوئی معیاری مضمون تحریر کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ حتٰی کہ اردو میں بھی معیاری گفتگو، خطابت اور تحریر کا مطلوبہ مؤثر معیار ہمارے حلقوں میں نہیں پایا جاتا۔ میں اسے ''اضعف الایمان'' کا درجہ قرار دیتا ہوں کہ ہمارا فارغ التحصیل کم از کم اردو میں ہی پڑھے لکھے لوگوں کے حلقے میں سلیقے سے گفتگو کرسکے، یا آج کی صحافتی زبان میں ڈھنگ کا کوئی مضمون لکھ سکے، جبکہ آج کے ابلاغ عامہ اور میڈیا کا معیار بہت مختلف ہے۔ اس طرح میڈیا اور صحافت کی زبان، اسلوب، تکنیک، اور معیار تک سرے سے ہماری رسائی نہیں ہے۔

غیر مسلم اکثریت رکھنے والے ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں احکام وقوانین کی تدوین کی بات حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے حوالے سے سطور بالا میں گزرچکی ہے، جبکہ میری طالبعلمانہ رائے میں ایک اور اہم مسئلہ ہماری فوری توجہ کا مستحق ہے کہ جس مسلم معاشرے میں احناف کی اکثریت ہے وہاں کے عمومی

احکام وقوانین یقیناً فقہ حنفی کی بنیاد پر طے ہوں گے اور ہو رہے ہیں۔اسی طرح شوافع، مالکیہ، حنابلہ اور ظواہر کی اکثریت رکھنے والے ممالک میں انہی فقہوں کو تفوق حاصل ہے لیکن دنیا کے بہت سے علاقوں میں مشترک سوسائٹیاں وجود میں آ رہی ہیں، بالخصوص مغربی ممالک میں اکثر جگہ صورتحال ہے کہ ایک مسجد میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور سلفی مسلمان اکٹھے نماز پڑھتے ہیں، انتظامیہ میں بھی شریک ہیں، ان جگہوں پر مسائل کا حل کن بنیادوں پر ہوگا اور مشترکہ مسائل کے حل کے لیے مشترکہ فقہی اصول کیا ہوں گے؟

یہ ایک اہم ملی ضرورت ہے جس کی طرف فقہاء کرام اور دینی مدارس ومراکز کو بالآخر متوجہ ہونا پڑے گا۔ یہاں اتنی بات کہہ دینے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا کہ فقہی ذخیرے میں اس سلسلہ میں سینکڑوں جزئیات موجود ہیں جن کی بنیاد پر مسائل حل کیے جاسکتے ہیں، اس لیے بات اصول اور قوانین کی ہے کہ آج کے عالمی حالات اور مسلم امہ کی مجموعی ضروریات کے پیش نظر ان کی باقاعدہ تشکیل وتدوین کی جائے۔

ہمارے ہاں تخصص فی الفقہ یا تخصص فی الافتاء کے عنوان سے بیسیوں مدارس میں کورسز چل رہے ہیں لیکن ان کا دائرہ کار عمومی اور ملی ضروریات کے تناظر میں بہت ہی محدود ہے۔ ہمارے اپنے ممالک اور معاشروں کے پس منظر میں مفتی حضرات کی تیاری کے لیے یہ کورسز بہت مفید اور ضروری ہیں اور بہت سے مدارس کے نصاب بہت حد تک معیاری بھی ہیں، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ آج کے گلوبل ماحول اور مشترکہ سوسائٹیوں میں دوسرے فقہوں کے اصول اور طرق استنباط بالخصوص شافعی، مالکی، حنبلی اور ظاہری فقہوں کے اصول وقوانین سے ضروری واقفیت کے بغیر کوئی مفتی اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرسکتا ہے۔ بلکہ میری طالبعلمانہ رائے یہ ہے کہ تخصص فی الفقہ کے نصاب میں امت کے دائرہ کی دیگر فقہوں کے ساتھ ساتھ آج کے قانون سازی کے عالمی اصولوں اور معاشرتی ارتقا کی بنیادوں سے واقفیت کو بھی شامل کرنے کی ضرورت ہے۔

قدیم دور میں جب ابھی علم کلام باقاعدہ منظّم ہوکر سامنے نہیں آیا تھا اور فقہ کو احکام کے دائرے میں محدود نہیں کر دیا گیا تھا، اس وقت فقہ کی اصطلاح بہت وسیع مفہوم میں استعمال ہوتی تھی۔ اور اس میں فقہ الاحکام کے ساتھ ساتھ فقہ العقائد اور فقہ النفس (اصلاح نفس) بھی فقہ اور تفقہ کا حصہ سمجھی جاتی تھیں، خود حضرت امام ابوحنیفہ کا عقائد پر رسالہ ''الفقہ الاکبر'' کے نام سے موجود ہے۔ ان میں سے فقہ العقائد تو علم کلام کی صورت میں الگ طور پر مرتب ہوکر نصاب کا حصہ بن گئی، مگر فقہ النفس (تصوف) ہمارے نصاب میں شامل نہیں رہی اور اسے اختیاری درجہ میں ہی رکھا جاتا ہے۔ میری طالبعلمانہ رائے میں اس فقہ کو اپنے قدیمی مفہوم میں تمام شعبہ جات کے ساتھ نصاب کا باضابطہ حصہ ہونا چاہیے اور آج کے حالات میں اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے بڑھتا جارہا ہے۔ (باقی صفحہ نمبر: ۵۷)

عربی زبان ایسے سیکھئے جیسے مادری زبان

مولانا محمد طلحہ بلال احمد منیار

مادری زبان کیوں ہم آسانی سے سیکھنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، جبکہ مدارس کی چار دیواری میں کئی سالوں کی جدوجہد ومحنت کے باوجود عربی زبان پر معتد بہ قدرت حاصل نہیں ہوتی ہے؟

اس کے لیے ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ہم مادری زبان سیکھنے کے لیے کیسا ماحول بناتے ہیں، اُس ماحول میں وہ کونسی چیزیں ہیں جو زبان سیکھنے میں معین ومددگار بنتی ہیں، جن سے مدرسہ یکسر خالی ہوتا ہے یا کافی حد تک ہمارے مدرسوں میں ان معاون چیزوں کی کمی پائی جاتی ہے۔

میں نے اس سلسلے میں غور وخوض کرنے کے بعد چند پوئنٹس/ نکات نوٹ کیے ہیں، امید ہے کہ ان کا پیش کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا:

(۱) بولنے (تکلم) کی طبعی عمر سے پہلے بچہ ایک طویل مدت تک صرف سننے (سماعت) کے ماحول میں جیتا ہے۔

آج کل انگریزی زبان سکھانے والے اس پر پورا زور دیتے ہیں کہ: پہلے آپ ایک مدت تک روزانہ چند گھنٹے صرف انگریزی سنیں، چاہے آپ کو مطلب سمجھ میں نہ آئے، سننے کے لیے کسی مواد کا کوئی متعینہ انتخاب بھی ضروری نہیں ہے۔ سنتے سنتے الفاظ سے جب اُنسیت بڑھے گی تو رفتہ رفتہ خود بخود سیاق وسباق سے عام مفہوم سمجھنے کی صلاحیت بڑھتی رہے گی۔ مدارس میں عربی سنانے کا ماحول کہاں ہے؟ وہاں تو بلا وجہ بھی ہر چیز کا اردو ترجمہ سنانے کا ماحول بنا ہوا ہے۔ خارج درس بھی عربی کون بولتا ہے؟ رہ گئی "النادی العربی" میں رٹی رٹائی تقریروں کا سلسلہ، تو ان کا فائدہ بھی محدود بلکہ محدود تر ہوتا ہے۔

(۲) مادری زبان کا ماحول صرف چند گھنٹے یا چند پیریڈ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ چوبیس گھنٹے کے لیے بنا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی (وجود بيئة التكلم باستمرار) کی وجہ سے سیکھنے کا لمبا وقت ملتا ہے۔

(۳) ایک ہی بات بکثرت اور مختلف پیرایوں میں روزانہ کان میں پڑتی ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ آج کا سبق جملہ خبریہ، کل کا جملہ فعلیہ، پرسوں مرفوعات، منصوبات...... کثرتِ تکرار سیکھنے کے کام کو آسان بنا دیتی ہے۔

(۴) مفرد الفاظ کے بجائے ہر بات پورے پورے جملوں میں بولی جاتی ہے، اور جملوں کے بار بار سننے سے مشکل الفاظ خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ اگر چہ بچہ سوالات بھی کثرت سے کرتا ہے، لیکن ہر مشکل لفظ کے بارے

میں استفسار نہیں کرتا۔

(۵) مواقع استعمال کا تنوع بھی مادری زبان کے سیکھنے میں اہم رول ادا کرتا ہے، صبح سے لیکر رات تک ہر قسم کا ماحول ملتا ہے: سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، آنا جانا، کھیلنا کودنا، نہانا دھونا، چیخنا چلانا، رونا دھونا، مارنا پیٹنا، مانگنا دینا، ملنا جلنا...... ہر طرح کی پوزیشن کے ضروری ضروری الفاظ کے استعمال کا ماحول وموقع ملتا رہتا ہے۔ لفظ جب اس کے طبعی ایکشن میں استعمال ہوتا ہے تو وہ سیکھنے میں زید وعمرو کی مثالوں سے زیادہ بہتر معاون بنتا ہے۔

(۶) اسی سے جڑا ہوا ایک اور اہم پوئنٹ یہ بھی ہے کہ جملوں کا استعمال ان کے طبعی ایکشنوں کے ذریعے ہوتا ہے، خوشی غمی، دکھ درد، بھوک پیاس، ڈر گھبراہٹ، خوشنودی ناراضگی، سردی گرمی، یہ سب حقیقی شکلوں میں ہوتا ہے۔ مزید یہ بھی ہے کہ بہت سی مرتبہ خود بچہ ان سب ایکشنوں کا ہیرو ہوتا ہے۔

(۷) بات چیت زیادہ تر محادثہ وتخاطب کی شکل میں ہوتی ہے، ماں باپ، بھائی بہن، دیگر اہل خانہ، اقرباء ورشتے دار، میزبان مہمان، نوکر چاکر وغیرہ سب ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہوئے مادری زبان بولتے ہیں۔ گاؤ تکیے پر ٹیک لگا کر کسی چیز کا رٹا نہیں لگایا جاتا، اور نہ فرضی قصے سنائے جاتے ہیں۔

(۸) فرضی مثالوں سے نہیں بلکہ سیکھنے کا پورا ماحول محسوسات کی شکل میں موجود ہوتا ہے، ہر چیز کے بارے میں جو بھی بات ہوتی ہے تو وہ دائرہ حس میں ہوتی ہے، دیکھی جاتی ہے، پکڑی جاتی ہے، چکھی جاتی ہے، سنی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مادری زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ کھانے کی بات دسترخوان پر کھانا تناول کرتے ہوئے، لینے دینے کی بات بازار میں خرید وفروخت کرتے ہوئے، ملنے جلنے کی بات مہمان خانے میں میزبان ومہمان کے درمیان، کھیلنے کودنے کی بات اس کے میدان میں۔۔۔

الغرض یہ کہ ہر چیز متحرک وجاندار، اور طبعی جذبات سے بھرپور محسوس کی جاتی ہے۔ صرف بے جان الفاظ وجملے نہیں بولے جاتے۔

(۹) جملے فطری طور پر بلا تصنع وتکلف برجستہ بولے جاتے ہیں، اور وہ جملے اس ایکشن وماحول کے مناسب روز مرہ کے مستعمل الفاظ میں سے ہوتے ہیں، قوامیس سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر، اور گرامر کے اصولوں کو سوچ سوچ کر باقاعدہ بنائے نہیں جاتے۔

بچہ بھی کوئی باقاعدہ گرامر نہیں سیکھتا ہے، بلکہ فطری ماحول میں رہنے کی وجہ سے اس میں اتنا شعور پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ مفرد جمع، مذکر مؤنث، متکلم حاضر، فاعل مفعول، جملہ خبریہ فعلیہ سب کی تمیز کرنے لگتا ہے۔

(۱۰) بولنے میں کسی قسم کی غلطی کے وقوع یا اس پر گرفت کا خوف یا بوجھ ذہن پر سوار نہیں ہوتا ہے، بلکہ بچے کو

غلط بولنے پر بھی شاباشی سے اور حوصلہ افزائی سے نوزا جاتا ہے، جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ کھل کر پوری حریت سے بولتا ہے۔

(۱۱) مادری زبان بولنے والوں سے انسیت ہوتی ہے، ماں باپ، بھائی بہن، دادا دادی، نانا نانی، چچا چچانی، ماموں خالوں، ہم عمر بچے، وغیرہ سب سے انسیت ہوتی ہے۔

اور ماحول بھی فری ہوتا ہے، تعلیم وتعلم یا استاذ وشاگرد کے رشتے کا کوئی تصور نہیں ہوتا ہے۔

(۱۲) ایک آخری پوئنٹ یہ ہے کہ سیکھنے کی زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ نہیں کیا جاتا، بلکہ مسلسل ایک ہی زبان بولی جاتی ہے، اور بولتے بولتے سنتے سنتے خود بخود وہ زبان آجاتی ہے۔

یہ چند امور وہ ہیں جن سے ہر بچہ بہت جلدی اپنی مادری زبان فرفر بولنے پر قدرت حاصل کرلیتا ہے، جب کہ مدارس میں ان سب امور کا پایا جانا یا مہیا کرنا دشوار ہوتا ہے، اس لئے زبان سیکھنے کا کام اثر نہیں دکھلاتا۔

مدارس میں اگر مذکورہ بالا امور میں سے صرف چند امور کے عملی اجراء کا بسہولت ماحول بنایا جائے، تو امید ہے کہ عربی زبان کے سیکھنے کا کام بہت مفید مؤثر اور آسان ہوجائے۔

عاجز نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں مافی الضمیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے، اگر کوئی مذکورہ پوائنٹس پر قلمِ اصلاح پھیر کر، عمدہ پیرایہ بیان میں ڈھال دے، تو یہ مضمون زیادہ قابلِ استفادہ بن سکتا ہے۔

(بقیہ: انیسویں نداء) ایک باوفا اور صاحب کردار خاتون وہی ہوتی ہے جو اپنے گھر کے نظم ونسق کو سنبھالے، کام کاج اور بچوں کی تربیت کرے، تاکہ اس کا شوہر مکمل یکسوئی کے ساتھ معاش کے حصول کے لیے محنت کرسکے۔ خاندان کا استحکام بھی اسی صورت ممکن ہے کہ عورت کا رویہ ومزاج شوہر کے ہم آہنگ ہو۔ عورت اگر اپنی فطری ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرے گی تو صالح اور متوازن معاشرے کا قیام ناممکن ہوجائے گا۔ عورت اگر شوہر کی فرماں برداری کرے، شوہر گھر سے باہر ہو تو اس کے مال کی حفاظت کرے، وہ جب گھر آئے تو خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرے، شوہر کی راز دان اور غمگسار بن جائے، امور خانہ میں کوتاہی نہ کرے تو فطری طور پر شوہر بھی اس پر جان چھڑکتا ہے، اور وہ بھی اپنی طرف سے کسی زیادتی کے ارتکاب سے بچتا ہے۔ حدیث شریف میں ایسی عورت کے بارے میں خوش خبری ہے کہ:

''جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے اپنی عزت اور آبرو کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرماں بردار ہو تو وہ جنت کے جن دروازوں سے چاہے داخل ہوجائے۔''

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين .

تشنہ لبوں کا نخلستان......"آسان تفسیرِ قرآن"

مولانا سید عدنان کریمی

سات دہائی اُدھر کی بات ہے، ریڈیو پاکستان کی جانب سے دینی و مذہبی سیگمنٹ کے لیے روزانہ درسِ قرآن کے متعلق فرمائش کی گئی جس کو چند اعذار کی بنا پر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، کچھ عرصہ بعد انتظامیہ کی جانب سے ایک دوسری تجویز پیش کی گئی کہ روزانہ درس کے سلسلہ سے ہٹ کر ایک ہفتہ واری سلسلہ شروع کیا جائے جس میں پورے قرآن کی تفسیر پیشِ نظر نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کی موجودہ ضرورت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے منتخب آیات کی تفسیر اوراس سے متعلقہ احکامات بیان کیے جائیں۔ سابق مفتی اعظم پاکستان نے مذکورہ پیشکش کواس شرط کے ساتھ قبول کرلیا کہ درس کا کوئی معاوضہ ہوگا اور نہ ہی ایسی کوئی پابندی قابلِ قبول ہوگی جو درسِ قرآن کے شایانِ شان نہ ہو، شرط منظور کر لی گئی۔

جولائی ۱۹۵۴ء میں یہ درس "معارف القرآن" کے نام سے شروع ہوا اور تقریباً گیارہ سال پابندی سے جاری رہا۔ جون ۱۹۶۴ء میں ریڈیو پاکستان کی نئی پالیسی کے تحت اس درس کو ختم کر دیا گیا۔ یہ درسِ معارف القرآن تیرہویں پارے کے سورۃ ابراہیم پر اختتام پذیر ہوا، گوکہ اس میں مکمل تیرہ پاروں کی تفسیر نہ تھی البتہ عامّۃ الناس کے لیے ایک معتد بہ حصہ اس ریڈیائی درس میں سما گیا تھا۔ جس وقت یہ کام شروع ہوا تو کسی کے حاشیہ خیال میں نہ تھا کہ یہ ریڈیائی دروس آگے جا کر مستقل تفسیر کی صورت اختیار کر جائیں گے، تاہم قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہفتہ واری درس کے آغاز سے ہی لوگوں نے اسے بڑی پذیرائی بخشی اور پورے ہفتے اس درس کا شدت سے انتظار ہونے لگا۔ ملک اور بیرون ملک بسنے والے مسلمانوں کی طرف سے بے شمار خطوط ریڈیو پاکستان اور مدرّس مفتی محمد شفیع عثمانی کو موصول ہوئے، جس سے اندازہ ہوا کہ بہت سے دیندار اور نوتعلیم یافتہ مسلمان طبقہ اس درس سے بڑا شغف رکھتا ہے چنانچہ ہر طرف سے اس بات کا تقاضا شدت اختیار کرنے لگا کہ ان دروس کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ لوگوں کے اسی اشتیاق اور مانگ کے پیشِ نظر سابق مفتی اعظم پاکستان، مفتی محمد شفیع عثمانی نے معارف القرآن کی تکمیل پر کام شروع کیا۔ وقفہ وقفہ سے کام جاری رہا، مفتی صاحب کی علالت کے دوران ان کے فرزند ارجمند نے بھی چند

سورتوں پر کام کیا، یوں اکتوبر 1972ء کو یہ مبارک تفسیری کام مکمل ہوا جس کی ابتدا ریڈیو دروس کی ریکارڈنگ سے ہوئی اور تکمیل ایک علمی کام "معارف القرآن" پر ہوئی۔

والد گرامی کے حکم کی تعمیل میں سورۃ صافات، ص، اور سورۃ زخرف کو مفسر موصوف کی طرز پر لکھنے والے برخوردار نے لگ بھگ نصف صدی کے بعد محسوس کیا کہ ایک طرف سرکاری اور انگلش میڈیم اسکولوں میں تعلیمی معیار کے انحطاط کے باعث نوجوان نسل کا فصیح اردو سے رشتہ کٹ کر رہ گیا ہے جبکہ دوسری جانب مروجہ تراجم وتفاسیر میں اس قدر فصاحت و بلاغت ہے جس کا سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ نوجوان نسل اور عام مسلمانوں کے فائدہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی آسان، سلیس اور عام فہم زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ پر کام شروع ہوا جس کی تکمیل "آسان ترجمہ قرآن" پر ہوئی۔ بعدازاں لوگوں کی طرف سے یہ اصرار بڑھا کہ آسان ترجمہ قرآن کے بعد تفسیر پر بھی کام ہونا چاہیے جو جدید زمانہ سے ہم آہنگ اور عام لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے آسان اور عام فہم ہوتا کہ یہ طبقہ فہمِ قرآن کی طرف راغب ہو۔ مستقل تفسیر لکھنے کے لیے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی اپنے والد گرامی مفتی محمد شفیع عثمانی کی طرح کسی طور رضامند نہیں ہو رہے تھے بلکہ اگر باپ بیٹے دونوں کے تفسیری پیش لفظ کا مطالعہ کیا جائے تو کسر نفسی کے ملتے جلتے الفاظ اور عبارات ملیں گے، جس میں ہر دو حضرات اپنی تہی دامنی کا یکساں اعتراف کرتے ہوئے لوگوں کے اصرار اور تائیدِ خداوندی سے یہ مبارک کام کے آغاز کا تذکرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آسان ترجمہ قرآن کے بعد قریبی احباب کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ موجودہ دور میں سمعی وبصری آلات کے ذریعہ دیکھی اور سنی جانے والی چیزیں زود اثر ثابت ہوتی ہے نیز لوگوں کا رجحان پڑھنے سے زیادہ سننے اور دیکھنے کی جانب بڑھ رہا ہے، ساتھ ہی سفر میں آڈیو ریکارڈنگ سے مستفید ہونے کا چلن بھی عام ہے، چنانچہ تفسیر کے سلسلہ میں آڈیو ریکارڈنگ کی تجویز پر مفتی صاحب نے بطور تجربہ ریکارڈنگ کا آغاز کیا۔ ریکارڈنگ کے دوران ایک نیازمند کی جانب سے اصرار کیا گیا کہ ان دروس کو ضبطِ تحریر میں لانا چاہیے تاکہ استفادہ عام ہو جائے لیکن اس کے لیے خطابی انداز مستقل تصنیف و تالیف کی راہ میں رکاوٹ رہا، اس مشکل کو آسان کرنے کے لیے ہمارے عزیز دوست مفتی راشد حسین نے خطابی دروس کو مستقل تصنیفی ڈھب پر لانے کا بیڑا اٹھایا جس میں وہ کامیابی کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ اب تک سورۃ الانفال تک کی ریکارڈنگ مکمل ہو چکی ہے جبکہ دو جلدوں پر مشتمل مکمل سورۃ البقرۃ کی تفسیر "آسان تفسیر قرآن" کے نام سے منصۂ شہود پر آ کر اہلِ علم سے دادِ تحسین وصول کر چکی ہے۔ حسنِ اتفاق ملاحظہ ہو کہ جس برخوردار نے والد کی علالت کے دوران تعمیلِ حکم میں انہی کے انداز میں چند سورتوں پر کام کیا، ان کی دعاؤں اور توجہات کی بدولت خداوندِ قدوس نے ایسی مشابہت ومماثلت نصیب فرمائی کہ "معارف القرآن" کی ابتدا بھی ریکارڈنگ سے ہوئی

اور اختتام مستقل تصنیف پر، اسی طرح "آسان تفسیرِ قرآن" کا آغاز بھی ریکارڈنگ سے ہوا اور اب یہ بھی بحمد اللہ ایک مستقل تفسیر کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی کی آسان تفسیر قرآن ظاہری و باطنی خصوصیات کا مرقع ہے، یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اس تفسیر پر کام کرنے والے مدرّس موصوف سے لے کر ناشر اور جلد ساز تک ہر ایک دلچسپی اور لگن سے اس کی خدمت میں مصروفِ عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پوری تفسیر میں کوئی بھی ثقیل اور مشکل لفظ موجود نہیں، موجودہ زمانہ کے اعتبار سے اگر کہیں نسبتاً مشکل لفظ لانا پڑا تو حاشیہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے، اسی طرح تفاسیر کے مزاج کی رعایت میں تمام قسم کے اصولی، کلامی اور عقائد پر مشتمل مباحث کو بھی آسان اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی عنوانات میں اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ وہ زود اثر اور ذیلی مباحث کے نمائندہ الفاظ پر مشتمل ہوں جہاں ایک طرف عنوانات پڑھتے ہی مباحث کا خلاصہ سمجھ میں آجائے اور دوسری جانب قاری کی تشنگی کا مداوا "ھل من مزید" سے ہوتا رہے۔

آسان تفسیرِ قرآن کے مؤلف موصوف مفتی صاحب قدیم و جدید علوم کی جامع شخصیت ہیں، فقہ و فتوی اور تدریس و قضا سے ان کا تعلق رہا ہے، دنیا دیکھے ہوئے ہیں، لوگوں کی نفسیات اور ان کے ذہن میں پیدا ہونے والے ممکنہ سوالات نیز معاشرے میں پنپنے والے شکوک و شبہات سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔ عقائد کے باب میں بڑے غیر محسوس انداز میں ان تمام ممکنہ شبہات اور مزعومہ اشکالات کا جواب دیا گیا ہے۔ اسی طرح پوری تفسیر میں نہ صرف عملی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے بلکہ اس پر تفصیلی بات بھی کی گئی ہے۔ کئی اہم مباحث کے شروع میں ایسی جاندار تمہید باندھی گئی ہے جس سے تمام جزئیات و فروعات کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں آیاتِ ربوا کے ذیل میں سود، انفاق کے ذیل میں صدقات اور آیاتِ نکاح و طلاق کے ذیل میں عائلی زندگی پر ایسی جامع و مانع بحث کی گئی ہے جو بجائے خود ایک مستقل رسالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح جا بجا قرآن کریم کا بنیادی پیغام مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصدِ بعثت پر بھی مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ مقاصدِ بعثت سے عدالتِ صحابہ پر نہایت خوبصورت استدلال کیا گیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

اردو تفاسیر میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ پہلے آیت، پھر ترجمہ اور صرف تشریح طلب آیات میں ذیلی مباحث مذکور ہوتے ہیں جبکہ مذکورہ تفسیر کی ایک اہم اور بنیادی خصوصیت یہ رہی کہ ہر آیت کا ترجمہ اور ہر آیت کے ہر ہر جزو کی تشریح عربی تفاسیر بالخصوص تفسیرِ جلالین کی طرز پر چل رہی ہے۔ مثلاً "**وکان اللّٰہ علیما حکیما**" اور "**واللہ عزیز حکیم**" کی بھی تشریح کی گئی ہے اور بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والے کیوں ہیں اور عزیز و حکیم کیونکر ہیں۔

یہ ساری تگ ودواس لیے کی گئی تا کہ عربی سے نابلد عام آدمی آسانی سے منشائے قرآنی کو سمجھ سکے۔اسی طرح احادیث اور واقعات کی تخریج کا بھی بھرپور اہتمام کیا گیا ہے تا کہ اہلِ علم کو بھی اصل مآخذ کی طرف رجوع میں آسانی ہو۔

مذکورہ باطنی خصوصیات کے علاوہ تفسیر کو خوبصورت، دیدہ زیب اور خوشنما بنانے کے لیے ظاہری خصوصیات پر بھی بڑی محنت کی گئی ہے چنانچہ دینی کتابوں کی مروّجہ روایات سے ہٹ کر کئی حوالوں سے جدّت اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دو رنگوں کا استعمال بڑے توازن اور تناسب سے کیا گیا ہے، اسی طرح چھوٹے چھوٹے پیرا گراف، لائنوں اور لفظوں کے درمیان مناسب فاصلہ، ہر بحث عنوان کے تحت اور ہر صفحہ پر مناسب وقفے اور ایک دو عنوان ہونے کے سبب قاری کو بوریت محسوس نہیں ہوتی۔ نیز تحریر کے جدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت سی اہم باتیں خانوں اور نمبرات ونکات کی صورت میں واضح کی گئیں ہیں تا کہ پڑھنے میں سہولت ہو۔اسی طرح تفسیر کی جلد بندی میں بھی ایک خاص معیار کا خیال رکھا گیا ہے،آسان ترجمہ قرآن کی طرح آسان تفسیر قرآن کی بھی دونوں جلدوں کو یکجا کیا جاسکتا تھا، تاہم یکجا کرنے کی صورت میں جلد پر بھی خاصا فرق پڑتا، عام آدمی کو اٹھانے اور پڑھنے میں بوجھ اور دقت محسوس ہوتی، مزید برآں لفظوں کا وجودی ازدحام اس قدر ہوتا کہ طبعِ سلیم پر یہ سب گراں گزرتی۔

یہ تو تھیں تفسیر کی ظاہری و باطنی خصوصیات کی ایک جھلک، جس کا صحیح طور پر اندازہ کتاب کے لمس کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ تفسیر اپنی تمام تر خصوصیات کے باوصف ہم سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم سب سے پہلے تو اس گراں مایہ تحفہ کو روزانہ کی بنیاد پر اپنے مطالعہ میں رکھیں۔ایک رکوع نہ سہی، کم ازکم ایک آیت تو روزانہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر پڑھیں اور اس پر عمل بھی ہو کیونکہ مذکورہ تفسیر نے ہمارے تمام تر اعذار کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا ہے اور ہمارے لیے ایسی سہولت پیدا کردی ہیں کہ جن کے سبب ہم منشائے قرآنی کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔خود پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دوست، احباب اور متعلقین کو بھی اس تفسیر کی طرف راغب کرنا چاہیے تا کہ قرآن کی دعوت عام ہو اور معاشرے میں روز افزوں پنپتی بے چینیوں کا مداوا بھی ہو سکے۔

بقولِ اقبال:

قُرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

تکبیر کا نعرہ تری عصمت کا امیں ہے

محمد احمد حافظ

شیرِ میسور ٹیپو سلطان شہید کے دیس سے بلند ہونے والا وہ ایک نعرۂ تکبیر ہی تھا......تکبیر کے نعرے سب ہی لگاتے ہیں......مگر اس نعرۂ تکبیر میں کچھ ایسا جذب اور درد تھا کہ چند گھنٹوں میں ہی اس کی گونج پورے عالم میں سنائی دینے لگی، اپنے معبودِ حق وحدہ لاشریک پر اعتماد، توکل اور صرف اسی سے فریاد، سب اس ایک مہین سی آواز میں سمو گیا تھا۔

آپ جانتے ہیں پڑوسی ملک بھارت میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ پہلے تو بھارت کی مسلم دشمنی کا محور صرف پاکستان ہوتا تھا مگر اب اس کے اپنے مسلم باشندے بھی اس دشمنی کا شکار ہو رہے ہیں۔ بجرنگ دل، آر ایس ایس اور بی جے پی کے جتھہ بند غنڈے مسلمانوں کی املاک، تجارتی مراکز اور گھروں پر کسی وقت بھی حملہ آور ہو جاتے ہیں اور آناً فاناً سب کچھ تباہ کر دیتے ہیں۔ راہ چلتے اکا دکا مسلمانوں کو ہندو محلوں میں گھیر لیا جاتا ہے اور انہیں ''شری رام'' کا نعرہ لگانے پر مجبور کیا جاتا ہے ورنہ مار پیٹ کی جاتی ہے۔ نفرت اور تعصب کی یہ آگ گلی کوچوں سے نکل کر تعلیمی اداروں میں بھی پھیل چکی ہے۔ مسلمان طلبہ کو ہراساں کرنا ایک معمول بن چکا ہے۔ مسلمانوں کے دینی و مذہبی حقوق کو بے دریغ پامال کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ مساجد کی بے حرمتی، اذان کے اوقات میں مساجد کے قرب وجوار میں ہلڑ بازی، گائے کے ذبیحے پر پابندی اسی کا حصہ ہے۔ اس تمام گھناؤنے عمل کو بھرپور ریاستی سرپرستی بھی حاصل ہے۔

ان دنوں وہاں پردہ وحجاب کے خلاف شرمناک مہم چل رہی ہے۔ ''یونیفارم کوڈ'' کے نام پر مسلم طالبات کو برقعہ وحجاب ترک کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ برقعہ پہننے والی بچیوں کو تعلیمی اداروں میں داخل ہونے سے روک دیا جاتا ہے۔ گزشتہ دنوں کرناٹک صوبے کے ایک تعلیمی ادارے میں باپردہ مسلم طالبہ مسکان خان اپنی اسائنمنٹ جمع کروانے گئی تو شر پسند ہندو طلبہ نے ''جے شری رام'' کے نعرے لگاتے ہوئے اسے خوفزدہ کرنے اور اس کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کی۔ یقیناً ایک نہتی اور باپردہ بچی کے لیے یہ نہایت کٹھن موقع تھا......اس نے بے قراری کی کیفیت میں جواباً تکبیر......اللہ اکبر! کے نعرے لگا کر دلیری و بہادری کی ان مٹ مثال قائم کر دی۔

ہندو غنڈے جو ایک نہتی طالبہ کو گھیر کر خوفزدہ کرنے کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کیے ہوئے تھے اور موبائل کیمرے آن کر کے ان لمحات کے انتظار میں تھے کہ کیسے ایک مسلمان بچی کی تذلیل وتوہین کر کے وہ اپنی نفرت کی

تسکین کریں اوراس پورے عمل کی ویڈیو بنا کرسوشل میڈیا پر پھیلائیں تا کہ ہندوستان بھر میں رہنے والے مسلمانوں کو بتایا جا سکے کہ وہ ریاست میں کس درجے شہری ہیں؟! مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام تدبیروں کو الٹ دیا اور ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے نہ صرف ہندوستان کی باپردہ مسلم خواتین میں ہمت وحوصلے کی بجلیاں دوڑا دیں بلکہ پوری دنیا میں مسکان خان کا یہ بے مثال کردار گفتگو کا موضوع بن گیا۔ بھارت کی ریاستی سطح پر مسلم دشمنی آشکارا ہوئی۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اس ریاستی کردار کے خلاف مظاہرے ہوئے۔

مسلمان عورتوں سے ان کی اس شناخت کو چھیننے کی پہلی منظّم کوشش ۲۰۱۶ء میں ریاست کیرالہ کے سیکنڈری بورڈ آف ایجوکیشن نے کی، جس نے کالجوں میں داخلے کیلئے پری میڈیکل داخلہ ٹیسٹ میں مسلمان عورتوں کے حجاب پہننے پر پابندی لگائی۔ پابندی کا بہانہ یہ بنایا گیا کہ، اس طرح لڑکیاں برقعے میں موبائل یا ٹیبلٹ وغیرہ چھپا کر لاتی ہیں تا کہ نقل کر سکیں۔ ایک خاتون آمنہ بنت بشیر اور اس کے والد نے کیرالہ ہائی کورٹ میں رٹ دائر کی۔ عدالت نے ۲۶/اپریل ۲۰۱۶ء کو مسلمان لڑکیوں کو حجاب پہننے کی اجازت دیتے ہوئے سیکنڈری بورڈ کا حکم نامہ معطل کر دیا۔ مگر اب دوبارہ اس مسئلہ نے سر اٹھایا ہے۔ کرناٹک کی بی جے پی گورنمنٹ نے پوری ریاست میں حجاب پر پابندی لگا رکھی ہے۔ معاملہ کرناٹک کی ہائی کورٹ ہے، تادم تحریر کرناٹک ہائی کورٹ نے مسلم طالبات کو عارضی اجازت بھی نہیں دی ہے۔ کرناٹک کے شہر اڈوپی میں تعلیمی اداروں میں حجاب پر پابندی کے خلاف ہائی کورٹ سے رجوع کرنے والی طالبہ کے والد کے ہوٹل پر بجرنگ دل اور آر ایس ایس کے جتھوں نے حملہ کر کے توڑ پھوڑ کی ہے۔ لگتا ہے کہ کرناٹک کی بی جے پی سرکار اور ہائی کورٹ مسلم طالبات کو استثنیٰ دیے بغیر یونیفارم کوڈ کے نفاذ کے لیے یکسو ہے۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ کیرالا، کرناٹک، دکن وغیرہ جنوبی ہند کے وہ علاقے ہیں جہاں بہت آغاز میں اسلام کی کرنیں پھوٹیں، صحابہ وتابعین کرام کے قافلوں نے یہاں کے ساحلی علاقوں میں پڑاؤ ڈالے، اسلام کی نہ صرف تبلیغ کی بلکہ وہ یہاں کے معاشروں میں رچ بس گئے۔ ان علاقوں میں مسلمانوں کی سلطنتیں قائم رہیں، کچھ عرصہ مغل یا ان کے نمائندہ مسلمان حکمران رہے ہیں۔ اگرچہ مرہٹوں کو بھی عروج رہا لیکن جلد ہی ان کی جگہ یورپی اقتدار نے لے لی، اس کے باوجود مسلمان نوابوں کی وسیع جاگیرداریاں قائم رہیں۔ اس وقت صرف کرناٹک کی مسلم آبادی ۸۷/لاکھ ہے۔ کیرالا کی مسلم آبادی کا تناسب ۲۵/فی صد ہے۔ دکن میں بھی مسلمان تناسب کے اعتبار سے وہاں کی آبادی کا بڑا حصہ ہیں۔ یہاں دینی معاشرت نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جنوبی ہند کے مسلم معاشروں میں پردہ وحجاب ایک مضبوط روایت کے طور موجود ہے۔ جنوبی ہند میں بچیوں کے دینی مدارس بڑی تعداد میں کام کر رہے ہیں۔ تبلیغی جماعت کی مساعی نے بھی یہاں مسلمانوں کو دینی طور پر مضبوط رکھا ہے۔ اب ان علاقوں

کے باشندوں کی مذہبی شناخت ہی ان کا قصور بن گئی ہے۔

برسراقتدار مودی سرکار بہت تیزی سے ہندوتوا کے نفاذ پر عمل پیرا ہے۔ وہ مدمقابل کسی بھی تہذیبی شناخت کو باقی رکھنے کے لیے تیار نہیں، جبکہ پردہ وحجاب مسلّمہ طور پر مسلمانوں کی دینی وتہذیبی شناخت ہے۔

بھارت کی ہندوتوائی قیادت کا مسلمانوں کے خلاف کھل کھیلنے کی ایک بڑی وجہ عالمی سطح پر حجاب مخالف رویہ ہے۔ کچھ عرصہ قبل فرانس میں اور کئی دیگر یورپی ممالک میں حجاب کے خلاف نہایت تندوتیز لہر اٹھی تھی۔ دلیل یہ تھی کہ جو لوگ ہمارے ملک میں رہنا چاہتے ہیں وہ اپنی الگ شناخت برقرار رکھنے کی بجائے ہماری تہذیب کو تسلیم کریں اور اس میں ضم ہو جائیں۔

ہمارے بعض خلیجی مسلم ممالک بھی خواتین کو بے حجاب کرنے کی ریاستی پالیسیوں پر گامزن ہیں۔ عورتوں کی مخلوط محفلوں کی سرکاری سطح پر پذیرائی کی جارہی ہے، انہیں گھروں سے نکال کر دفتروں اور مارکیٹوں میں لایا جارہا ہے، حالانکہ خلیجی ممالک میں بڑی تعداد میں انڈین ہندو ملازمتیں کررہے ہیں۔ یہ ممالک حجاب کے معاملے کو سفارتی سطح پر حل کر سکتے تھے۔ مگر چونکہ خود ان کا اپنا زاویہ نظر بدل چکا ہے اس لیے وہ حجاب کے معاملے پر کوئی سرگرمی دکھانے کو تیار نہیں۔ صرف ایک چھوٹی سی خلیجی ریاست کویت کی جانب سے سرکاری سطح پر بھارت کے خلاف ردعمل سامنے آیا ہے، باقی ہر طرف سناٹا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ پردہ وحجاب کے حق کے لیے بھارتی خواتین جس قدر جراءت سے آواز اٹھارہی ہیں اسی قدر بھارت کی مسلمان تنظیمیں ان کے حق میں آواز بلند نہیں کررہیں، بلکہ ایک دوسرے سے اختلاف اور اعتراضات کی فضا بنی رہتی ہے۔ مسکان خان کی بہادری پر جمعیت علماء ہند کے رہنما مولانا محمود مدنی نے طالبہ کے لیے پانچ لاکھ کے انعام کا اعلان کیا تو اسے سراہے جانے کی بجائے خود مسلم تنظیموں نے طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا شروع کردیا۔

ان داخلی مشکلات کے سبب تصور کیا جاسکتا ہے کہ بھارت کی جن نہتی طالبات نے اپنے شرعی حق کے لیے آواز اٹھائی ہے وہ کہاں تک کامیاب ہوسکتی ہیں؟!۔ ان حالات میں بھارت کی مسلم تنظیموں کے سر پر بھاری ذمہ داری ہے۔ ملّی مسائل کے حوالے سے انہیں باہمی اشتراک کے ساتھ اس مسئلے کو توانا اور دلیرانہ انداز میں اٹھانا چاہیے۔

دلیر ہو کے بقائے دوام ملتی ہے
ورنہ موت کی ذلت تو عام ملتی ہے

شخصیت

آہ......حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی فقیروالی

حضرت مولانا اللہ وسایا

جامعہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاول نگر کے مہتمم مولانا محمد قاسم قاسمی ۲۹/جنوری ۲۰۲۲ء کوانتقال کر گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! اسماعیل پور موضع منگووال نزدمہت پور ضلع جالندھر کے میاں کریم بخش کے ہاں ۱۳/اپریل ۱۹۰۴ء کوایک لڑکا پیدا ہوا۔جن کا نام فضل محمد تجویز ہوا۔آپ کے والد میاں کریم بخش تجارت کرتے تھے۔ انہوں نے جالندھر سے ٹوبہ ٹیک سنگھ میاں کوٹ میں نقل مکانی کرلی۔ چنانچہ فضل محمد نے میاں کوٹ میں اپنی تعلیم شروع کی۔ یہاں پر پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔اس دوران رسالہ الامداد اور بہشتی زیور کا کچھ حصہ بھی پڑھ لیا۔ ۱۹۱۷ء میں آپ کے والد گرامی کا انتقال ہوگیا۔آپ نے جالندھر رائے پور گجراں جامعہ رشیدیہ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ کے ہاں جا کر پڑھنا شروع کیا۔دوران تعلیم ہی حضرت تھانوی سے قلمی ربط ہوا۔پھر ملنے کے لئے تھانہ بھون گئے تو حضرت تھانوی کے مشورہ پر مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے والد گرامی مولانا محمد اسماعیل کے قائم کردہ مدرسہ نصرت العلوم میں داخلہ لے لیا۔

کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ جامعہ اسلامیہ جالندھر آ گئے۔ دورہ حدیث شریف دارالعلوم دیوبند سے کیا۔ حضرت مدنی،حضرت بلیاوی،حضرت مولانا اعزاز علی ایسے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔فراغت کے بعد ساہیوال کے قریب رتی ٹبی نامی گاؤں میں امامت اور اسکول میں استاذ کے فرائض شروع کئے۔فقیروالی ضلع بہاول نگر میں کسی کام سے آئے۔یہاں پر ہی ۲۳/اگست ۱۹۳۷ء کو مدرسہ قاسم العلوم کا آغاز کیا۔

انہی حضرت مولانا فضل محمد کے ہاں دوسرے صاحبزادہ محمد قاسم صاحب ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔جو بعد میں مولانا محمد قاسم قاسمی کے نام سے مشہور ہوئے۔مولانا قاسم نے تمام تعلیم قاسم العلوم فقیروالی میں حاصل کی۔ آپ کے استاذ مولانا فاروق احمد جو مولانا محمد احمد بہاول پوری تبلیغی جماعت کے بزرگ رہنما کے والد گرامی تھے۔آپ اپنے والد گرامی کے ایسے چہیتے صاحبزادہ تھے کہ ہمیشہ مولانا فضل محمد صاحب نے فراغت تعلیم کے بعد سفر میں ان کو ساتھ رکھا۔

ملتان میں جمعیت علماء اسلام کا جو تاسیسی اجلاس نزد قاسم العلوم حاجی بہران خان کی کوٹھی پر منعقد ہوا۔ اپنے والد گرامی کے ساتھ مولانا محمد قاسم قاسمی اس اجلاس میں شریک تھے۔ شرکاء کی فہرست میں بھی آپ کا نام موجود ہے۔ مولانا فضل محمد اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری جامعہ رشیدیہ رائے پور میں ایک ساتھ پڑھتے رہے۔ مدرسہ قاسم العلوم کے جلسہ کے اہتمام میں مولانا فضل محمد زیادہ تر مولانا محمد علی جالندھری سے رہنمائی لیتے۔ اسی تعلق نے مولانا محمد قاسم کو بھی جمعیت علماء اسلام و مجلس تحفظ ختم نبوت سے قریب کیا۔ قاسم العلوم فقیر والی میں پاک و ہند کے تمام اکابر تشریف لائے۔ بڑے اساتذہ مولانا مفتی فقیر اللہ، مولانا محمد عبداللہ رائے پوری، مولانا عبدالقدیر مومن پوری، مولانا فاروق احمد سہارن پوری، مولانا محمد عبداللہ درخواستی، مولانا مفتی محمود، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری، مولانا دوست محمد ایسے بیسیوں حضرات تبلیغ اسلام کے لئے یہاں تشریف لائے۔

مولانا محمد قاسم قاسمی نے اپنے والد گرامی کی حیات میں تمام اکابر دیوبند سے تعارف وشناسائی کا شرف حاصل کیا۔ والد گرامی کی وفات کے وقت آپ جامعہ قاسم العلوم فقیر والی کے مہتمم قرار پائے۔ آپ نے جامعہ کی تمام عمارات کو نئے سرے سے تعمیر کرایا۔ مسجد و مدرسہ اور تاریخی لائبریری کی نئے سرے سے تعمیر کرائی۔ آپ کے بڑے دو صاحبزادوں نے دورہ حدیث شریف تک تعلیم مکمل حاصل کی۔ مولانا محمد قاسم قاسمی نے بڑے اہتمام سے دونوں صاحبزادوں کو چناب نگر ختم نبوت کورس میں شرکت کے لئے روانہ کیا اور کورس میں تعلیم دلوائی۔ بڑے صاحبزادہ مولانا مسعود احمد قاسمی والد گرامی کے ساتھ قاسم العلوم کے نائب مہتمم اور اب ان کے وصال کے بعد مہتمم مقرر ہوئے۔

مولانا محمد قاسم قاسمی ایک منجھے ہوئے زیرک اور ذہین عالم دین تھے۔ بہت ملنسار طبیعت پائی تھی۔ تعلقات بنانے اور نبھانے میں بزرگوں کی روایات کے امین تھے۔ آپ کی اخلاص بھری زندگی علوم اسلامی کی ترویج واشاعت میں گزری اور خود یادگار اسلاف قابل قدر بزرگ رہنما تھے۔ ان کے وصال سے پون صدی کی درخشاں تاریخ کا ایک باب مکمل ہوگیا۔ حق تعالیٰ ان کی تربت پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائیں۔

☆......☆......☆

کراچی: وفاق المدارس کے زیر اہتمام دو اہم تربیتی نشستیں

صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی

پاکستان میں مدراس دینیہ کے سب سے بڑے بورڈ وفاق المدارس العربیہ کے تحت سالانہ امتحانات کا آغاز ۲۶/فروری بروز ہفتہ سے ہوا جس میں ملک بھر کے ہزاروں مدارس کے تقریباً پونے پانچ لاکھ طلبہ وطالبات امتحان میں شریک ہوئے، جن کیلئے ۲۵۶۷/امتحانی مراکز کا قیام عمل میں لایا گیا تھا، ان سینٹرز میں تقریباً ۸۰۰ ۷ انگران امتحانی عملہ کی تقرری عمل لائی گئی۔ امتحانات سے قبل ملک بھر میں نگران عملے کی تربیتی نشستوں کا بھی انعقاد ہوتا ہے، جس سے وفاق المدارس کے مرکزی قائدین وصوبائی نظماء اور اراکین امتحانی کمیٹی اپنے روایتی مثالی نظم امتحان کے حوالہ سے نگران عملہ کو خصوصی ہدایات دیتے ہیں۔ ایسی ہی دو اہم تقریبات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ہوئیں۔ کراچی کے سات اضلاع میں مجموعی طور پر تقریباً چالیس ہزار طلبہ وطالبات کیلئے ۱۶۳/امتحانی مراکز قائم کئے گئے۔ جس میں ۷۴/طلبہ اور ۸۹/طالبات کیلئے بنائے گئے تھے۔ طالبات کیلئے وفاق المدارس کی فاضلات اور عالمات کو نگران مقرر کیا گیا تھا۔

کراچی کے امتحانی مراکز میں تقریباً ساڑھے سات سو نگران عملہ کی تربیتی نشست جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ناظم صوبہ سندھ مولانا امداد اللہ یوسف زئی کی صدارت میں ہوئی، جس میں اراکین امتحانی کمیٹی مولانا راحت علی ہاشمی، مفتی انس عادل، میڈیا کوآرڈینیٹر مولانا طلحہ رحمانی سمیت مسؤلین و منتظمین میں مولانا قاری حق نواز، مولانا عبدالرزاق زاہد، مولانا محمد ابراہیم سکرگاھی، مولانا عبیدالرحمٰن چترالی، مفتی اکرام الرحمٰن، مولانا منظور احمد، مولانا عبیداللہ احرار، مولانا اظہار الحق، مولانا قاسم عبداللہ، مولانا عبدالجلیل، مولانا مفتی حنیف خالد، مولانا رشید احمد خاکسار، مولانا محمد شاہد، مولانا محمد راشد اور مولانا حسین ودیگر شریک ہوئے۔ تربیتی نشست کیلئے صدر وفاق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے نگران عملہ کیلئے اپنے پیغام میں کہا کہ:

''وفاق المدارس کا مثالی امتحانی نظام بھی ایک امانت ہے اور دیانت داری کا تقاضا ہے کہ تمام اصول وقواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ خدمت انجام دیں، ضوابط پر عمل میں نرمی نہ کریں اور برتاؤ میں سختی نہ کریں۔''

ناظم وفاق صوبہ سندھ مولانا امداد اللہ یوسف زئی نے اپنے کلیدی خطاب میں کہا کہ امتحان صرف طلبہ وطالبات کا نہیں بلکہ ہمارے رویوں اور طے شدہ ہدایات پر حکمت سے مکمل عمل کرنے میں ہمارا بھی امتحان ہوتا ہے۔انہوں نے کہا کہ وفاق المدارس جیسے عالیشان ادارہ کی دیگر خدمات کے ساتھ سب سے معیاری اور منفرد امتحانی نظام بھی ہے، الحمدللہ گزشتہ باسٹھ سالوں سے تواتر کے ساتھ جامع اسلوب کے ساتھ یہ سلسلہ جاری ہے۔اکابر کے بنائے ہوئے اس شاہکار روایتی نظم کی تکمیل کیلئے تمام نگران عملہ کو اپنی بھر پور علمی وفنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا ہوگا،آپ نے کہا کہ وقت کے ضروری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو بھی تبدیلیاں کی جاتی ہیں وہ ہمارے لاکھوں طلبہ وطالبات اور ہزاروں مدارس کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے کی جاتی ہیں۔ جتنے بھی سینٹر ہیں وہ سب ہمارے ہی ادارے ہیں،اس لئے مثالی امتحان کے انعقاد میں جہاں مسؤلین ومنتظمین وفاق اور نگران عملہ کی کاوشیں شامل ہیں وہیں جن اداروں میں ہمارے سینٹرز ہوتے ہیں ان کا بھی تعاون قابل تعریف ہوتا ہے۔اس موقع پر مولانا عبدالرزاق زاہد،مولانا راحت علی ہاشمی،مولانا قاری حق نواز نے بھی اپنے خطاب میں وفاق المدارس کے کامیاب مثالی نظام امتحان کی روایت کو برقرار رکھنے کیلئے مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے فعال کردار ادا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

تربیتی نشست میں کراچی کے سات اضلاع کے مسؤلین نے اپنے اپنے اضلاع کے نگران عملہ سے الگ الگ مذاکرہ بھی کیا اور موقع پر موجود حل طلب امور پر فوری عملدرآمد بھی کیا۔نگران عملہ کی تقرری کیلئے ملحق مدارس سے جن کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں ان کی مکمل چھان بین کی جاتی ہے،امتحان کیلئے وفاق المدارس کے مرکزی دفتر ملتان سمیت تمام صوبائی دفاتر میں ہمہ وقت جائزہ لینے کیلئے فوری اور ضروری رہنمائی کیلئے کنٹرول سینٹر بھی قائم کئے جاتے ہیں،جبکہ ملک بھر کے تمام ڈویژنز اور اضلاع کی سطح پر بھی مسؤلین ومنتظمین اپنے نگران عملہ اور سینٹر والوں سے رابطے میں رہتے ہیں تاکہ سینٹرز میں تمام ضروری سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنایا جاسکے۔

دوران امتحان سینٹرز میں معائنہ کیلئے معروف تعلیمی وسماجی شخصیات سمیت مختلف طبقوں کے نمایاں رہنماؤں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے،اس حوالہ سے ہمہ وقت باخبر رکھنے کیلئے وفاق المدارس کے میڈیا سینٹر کی ٹیمیں بھی تشکیل دی جاتی ہیں۔الحمدللہ اس سال شعبہ تحفیظ میں تقریبا نوے ہزار طلبہ وطالبات کی ریکارڈ تعداد نے امتحان کے اس مرحلہ میں شرکت کی،اور ملک بھر میں اس شعبہ کا امتحان اختتام پذیر بھی ہو چکا ہے۔جس پر قائدین وفاق المدارس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی،مولانا انوار الحق حقانی،مولانا محمد حنیف جالندھری سمیت دیگر نے شعبہ تحفیظ کے تمام مسؤلین ومنتظمین کو

کامیاب وبہترین انعقاد پر مبارکباد بھی پیش کی۔

اسی طرح دوسری اہم تربیتی تقریب شعبہ حفظ کے ممتحنین کے لیے منعقد کی گئی جس میں مولانا امداداللہ یوسف زئی،مولانا ڈاکٹر سید احمد یوسف بنوری،مولانا قاری زبیر احمد سمیت دیگر حضرات نے خطابات کیے۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت شعبہ حفظ کے امتحان کا آغاز ۱۵/فروری سے ہوا۔کراچی میں جامعہ بنوری ٹاؤن میں شعبہ تحفیظ کے ممتحنین کی تربیتی نشست مولانا امداداللہ یوسف زئی کی صدارت اور شعبہ تحفیظ کے مسؤل مولانا قاری زبیر احمد کی زیرنگرانی ہوئی۔جس سے جامعہ بنوری ٹاؤن کے نائب مہتمم مولانا ڈاکٹر سید احمد یوسف بنوری،مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی سمیت دیگر منتظمین نے بھی امتحانی امور کو بہتر سے بہترین اور خوش اسلوبی سے انجام دینے پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔اس سال شعبہ تحفیظ سمیت تمام درجات میں مجموعی طور تقریبا چار لاکھ ستر ہزار (۴۷۰۰۰۰) طلبہ وطالبات امتحان میں شریک ہوئے،جس میں اٹھاسی ہزار تین سو چوہتر (۸۸۳۷۴) تعداد تکمیل قرآن کی سعادت حاصل کرنے والے خوش نصیب طلبہ وطالبات کی تھی،گزشتہ برسوں کی نسبت اس سال صرف حفاظ وحافظات کی تعداد میں تقریبا پندرہ ہزار کا ریکارڈ اضافہ ہوا تھا۔جبکہ مجموعی طور پر تقریبا پینتالیس ہزار سے زائد طلباء وطالبات کا حیران کن اور خوش آئند اضافہ ہوا۔اسی مناسبت سے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ممتحنین اور ممتحنات کیلئے دو الگ الگ نشستوں کا انعقاد کیا گیا۔جس کے مہمان خصوصی وفاق المدارس العربیہ سندھ کے ناظم مولانا امداداللہ یوسف زئی تھے۔جبکہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے نائب مہتمم مولانا ڈاکٹر سید احمد یوسف بنوری اور مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی نے وفاق المدارس کے مثالی نظم کے تحت شفاف ترین امتحان کی اہمیت پر تفصیلی خطاب کیا۔

مولانا امداداللہ یوسف زئی نے اپنے کلیدی خطاب میں کہا کہ وفاق المدارس کو آفاق تک پہنچانے کیلئے اکابر و مشائخ کی باسٹھ سال کی لازوال محنتیں ہیں،وفاق المدارس ایک عظیم اور قیمتی سرمایہ ہے،اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری آج ہم سب پر عائد ہوتی ہے،ہم نے اپنے بڑوں کے بنائے ہوئے اصولوں کی پاسداری کرنی ہے۔آج جدید وسائل کا استعمال کر کے امتحانی نظم انصرام میں جو سہولیات ہمارے سامنے ہیں دہائیوں قبل جب وسائل مفقود تھے تو ان حالات میں ہمارے بڑوں نے انتھک قربانیاں دیں،آج اسی کے ثمرہ کی صورت میں ہمارے پاس یہ مثالی نظام موجود ہے۔

مولانا ڈاکٹر سید احمد یوسف بنوری نے اپنے خطاب میں نظم امتحان کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا ایک منظّم شخصیت کی تعمیر میں اکابر کے متعین کردہ یہ ضوابط ہماری رہنمائی کیلئے موجود ہیں جس پر عمل کرنا ہمارے لئے ناگزیر ہے۔وقت بھی ان لوگوں کی قدر کرتا ہے جو اپنے اوقات کو نظم کے تحت گزارتے ہیں،وفاق المدارس العربیہ مدارس

دینیہ کیلئے ایک سائبان اور شجر سایہ دار کی مانند ہے۔

مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی نے کہا کہ وفاق المدارس کے نظم امتحان کو آج ساری دنیا تسلیم کرتی ہے، اس کامیابی میں جہاں ہزاروں مدارس سے وابستہ لاکھوں افراد شامل ہیں وہیں اس کے منتظمین ومسؤلین کی بھی شبانہ روز کی جہد مسلسل کا نتیجہ ہے، اس کی کامیابی سب کی کامیابی ہے اور اگر خدانخواستہ کسی بھی حوالہ سے بدنظمی کا سامنا ہوگا تو اس کے ذمہ دار بھی ہم ہوں گے، اس لئے متعین کردہ نظم وضبط کے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے امتحانی امور کو اہمیت کے ساتھ انجام دینا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے۔

وفاق المدارس العربیہ شعبہ تحفیظ کراچی کے مسؤل مولانا قاری زبیر احمد نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ کراچی کے تقریبا سولہ سو سے زائد مدارس کے حفاظ وحافظات کے امتحان کیلئے اس سال بھی پچاس امتحانی مراکز قائم کئے گئے ہیں، ان میں ایک سو چالیس امتحانی عملہ کو مقرر کیا گیا ہے۔ جس میں تقریبا چار ہزار حافظات یعنی طالبات کے امتحان کیلئے چودہ امتحانی مراکز میں چالیس خواتین معلمات کو مقرر کیا گیا ہے۔ جبکہ تقریبا ساڑھے دس ہزار حفاظ کیلئے چھتیس سینٹرز میں ایک سو دو مجود قراء کو امتحان کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔

شعبہ حفظ کے امتحانات پندرہ فروری بروز منگل سے شروع ہوئے اور بائیس فروری بروز منگل کو اختتام پزیر ہوئے۔ گزشتہ سال کی نسبت جہاں شرکائے امتحان کی تعداد میں ریکارڈ اضافہ ہوا وہیں مدارس اور طلبہ وطالبات کی سہولت کو سامنے رکھتے ہوئے امتحانی مراکز وممتحنین میں بھی نمایاں اضافہ کیا گیا تھا، تعداد میں ہونے والا یہ خوش آئند اضافہ دراصل مدارس دینیہ کی گرانقدر تعلیمی وتربیتی خدمات پر عوام کے اعتماد کا مظہر ہے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن میں ہونے والی تربیتی نشست میں آٹھ ممتحن اعلیٰ سمیت شعبہ حفظ کے معاون مسؤل مولانا اکرام اللہ، ناظم دفتر سندھ مولانا عبدالجلیل، مولانا رضاء اللہ، مولانا محمد اسماعیل، مولانا کلیم اللہ ودیگر بھی موجود تھے۔

(بقیہ: اداریہ روزنامہ ''امت'') حقیقت یہ ہے کہ ناقص امتحانی نے ہمارے یہاں تعلیم کا بھٹا بٹھا دیا ہے۔ جب نقل کا رجحان عام ہو تو طلاب علم محنت کیوں کرے؟ پیسے دے کر نمبر بڑھانا ممکن ہو تو استعداد پیدا کرنے کے لیے کون سر کھپائے؟ یوں پوری نسل کی تعلیم تباہ ہو جاتی ہے۔ اس کی اصلاح تبھی ممکن ہے، جب ارباب اختیار اہل مدارس کی طرح اہلیت کے ساتھ ساتھ دیانت وامانت کی دولت سے بھی مالا مال ہوں مگر صد افسوس کہ مال ودولت کی ہوس نے سب کو اندھا کر دیا ہے۔

(اداریہ: روزنامہ امت، ۲۷؍فروری ۲۰۲۲ء، بروز اتوار)

خدماتِ وفاق المدارس کنونشن سکھر

صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی

۲۱ر فروری ۲۰۲۲ء بروز پیر جامعہ اشرفیہ جامع مسجد بندر روڈ سکھر میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیرِ اہتمام عظیم الشان "خدمات دینی مدارس کنونشن" منعقد ہوا۔جس میں صدر وفاق شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے بطور مہمان خصوصی شرکت فرمائی۔

کنونشن میں ناظم وفاق سندھ مولانا امداد اللہ صاحب یوسفزئی، ناظم وفاق بلوچستان و ایم این اے مولانا صلاح الدین صاحب، وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے ارکان مولانا قاری عبدالرشید صاحب، مولانا ناصر محمود سومرو صاحب، مولانا مفتی محمد خالد میمن صاحب، مسؤلین وفاق المدارس حضرت مولانا ڈاکٹر محمد ادریس سومرو صاحب، مولانا قاری جمیل احمد بندھانی صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولانا محمد شفیع کھوسہ صاحب، مولانا محمد سلیم صاحب، مولانا محمد اسحاق صاحب، مولانا عرفان محی الدین صاحب، مولانا عبید اللّٰہ انور صاحب، مفتی محمد اکمل صاحب اور دیگر نامور علمائے کرام شریک ہوئے۔

کنونشن میں صوبہ سندھ کے اضلاع حیدرآباد، ٹنڈو محمد خان، ٹنڈو الہ یار، بدین، دادو، جامشورو، گھوٹکی، بے نظیر آباد (جیکب آباد)، کشمور، ٹھٹھہ، خیر پور میرس، لاڑکانہ، قمبر-شہداد کوٹ، میر پور خاص، نوشہرو فیروز، نواب شاہ، سانگھڑ، شکارپور، سکھر کے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ساتھ ملحق سیکڑوں دینی مدارس و جامعات کے مہتممین و منتظمین حضرات نے بھرپور شرکت کی۔

اس موقع پر وفاق المدارس کے گزشتہ دو سالہ امتحانات میں پوزیشن ہولڈرز طلبہ و طالبات کی حوصلہ افزائی کے لیے انہیں قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔

تقریب سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ، ناظم وفاق صوبہ سندھ مولانا امداد اللہ یوسفزئی، ناظم وفاق بلوچستان وایم این اے مولانا صلاح الدین صاحب اور مولانا ڈاکٹر محمد ادریس سومرو صاحب نے خطاب کیا۔

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ:

آئے روز مدارس کے خلاف مختلف حربے استعمال کرتے ہوئے ان کے اکاؤنٹ بلاک کیے جا رہے ہیں دیہات کے علاقوں میں علماء و مہتممین کو پریشان کیا جاتا ہے جونہایت افسوسناک امر ہے۔انہوں نے اپنے خطاب میں مزید فرمایا کہ مدارس و مساجد خیر کے مراکز ہیں جو معاشرے میں امت کے لیے دینی وشرعی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے میں مصروفِ عمل ہیں ۔مدارس کے اتحاد و اتفاق کو بھی نقصان پہنچانے کے مختلف ہتھکنڈے اختیار کیے جا رہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مدارس کی خدمات میں کمی آنے کی بجائے دن بہ دن ترقی و اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔رواں سال سیکڑوں نئے مدارس کا الحاق وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ساتھ ہوا ہے۔سالانہ امتحانات میں پہلے سے بڑھ کر داخلے ہوئے اور امتحانی مراکز میں بھی کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔

حضرت صدر وفاق المدارس نے علماء اور مدارس کے مہتممین و منتظمین پر زور دیا کہ رجوع الی اللہ کی طرف خصوصی توجہ دیں۔اپنے اکابر کی سوانح اور سیرت کا مطالعہ کریں۔ان کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی دینی خدمات کو سرانجام دیں۔صدر وفاق المدارس نے اپنے خطاب میں مزید فرمایا کہ علماء کرام اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دین کی عظمت و سربلندی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام سے لے کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تک ہر ایک کو کتنی تکالیف، مشکلات اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔اہلِ مدارس نے بھی دکھوں اور تکلیفوں کے باوجود جس ہمت، حوصلے اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور کر رہے ہیں وہ ان کے مثالی کردار کا واضح ثبوت ہے۔

وفاق صوبہ سندھ کے ناظم مولانا امداداللہ یوسف زئی صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا وجود اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے. آج دنیا بھر کے بڑے بڑے ممالک کے پاس وفاق المدارس کی طرز پر مدارس کا باہمی کوئی مظبوط ترین نیٹ ورک موجود نہیں۔انہوں نے مزید کہا کہ ہمیں اپنی اکثریت پر خوش فہم ہونے کی بجائے اپنے اکابر کے بتائے ہوئے طریقے کو اپناتے ہوئے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی توجہ دینی چاہیے،طلبہ ہماری روحانی اولاد ہیں۔تمام مدارس کے مہتممین و منتظمین کو چاہیے کہ وفاق المدارس کے سائے تلے باہمی اتحاد و اتفاق کی فضا کو پروان چڑھائیں۔اپنی روحانی قوت وطاقت کو مظبوط بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

اسی دوران ناظم وفاق بلوچستان وایم این اے مولانا صلاح الدین نے کہا کہ علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے ورثاء ہیں،اس وراثت کا حق ادا کرنے کے لیے ان شاءاللہ تعالیٰ علمائے کرام اپنے اکابرین کی سرپرستی میں معاشرے کے اندر دینی، علمی اور سماجی خدمات انجام دیتے رہیں گے۔

کنونشن میں ارکان مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان مولانا قاری عبد الرشید صاحب، مولانا مفتی محمد خالد میمن صاحب، مولانا ناصر محمود سومرو صاحب سمیت جامعہ اشرفیہ سکھر کے مہتمم، نامور عالم دین مولانا اسعد تھانوی

صاحب نے اپنے خطاب میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی تاریخ اور خدمات پر مختصر روشنی ڈالی اور کنونشن میں شریک ہونے والے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

ان کے علاوہ جمعیت علمائے اسلام صوبہ سندھ کے سیکریٹری جنرل مولانا راشد محمود سومرو صاحب، حضرت مولانا عبدالوہاب چاچڑ صاحب، مولانا میر محمد میرک صاحب، مولانا اورنگزیب فاروقی صاحب، مولانا سعود افضل ہالیجوی صاحب اور مولانا ثناء اللہ حیدری صاحب نے بھی شرکت کی۔ کنونشن کے اختتام پر وفاق المدارس کے گزشتہ دو سالہ امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات میں انعامات تقسیم کیے گئے، جبکہ اندرون سندھ کے پانچ مدارس جن میں جامعہ مظاہر العلوم لطیف آباد، جامعہ ریاض العلوم حیدرآباد، جامعہ معارف الوحی للعلوم الاسلامیہ شکارپور، جامعہ شمس نور البنات لطیف آباد اور جامعہ مدینۃ العلوم حمادیہ پنوعاقل کو حسنِ کارکردگی کی بنیاد پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی جانب سے ایوارڈ دیے گئے۔

(بقیہ: دینی تعلیم کے جدید تقاضے)

تعلیم کے ماحول میں ''آن لائن سسٹم'' تمام تر تحفظات کے باوجود تیزی کے ساتھ جگہ بنا رہا ہے اور ''عموم بلویٰ'' کی صورت اختیار کر گیا ہے، اسے نظر انداز کرنا نقصان دہ ہوگا۔ دینی تعلیم کے لیے اس کے مؤثر استعمال کے ذرائع اور مواقع تلاش کرنا، اپنے اساتذہ اور طلبہ کو ان کی ٹریننگ دینا، اور اپنے تعلیمی مقاصد کے لیے ان کا بھرپور استعمال کرنا اب ہماری ضروریات میں شامل ہو چکا ہے، اس طرف بھی سنجیدہ توجہ کی ضرورت ہے۔

دینی تعلیم کی ان ناگزیر ضروریات اور تقاضوں پر دینی مدارس کے اساتذہ کی نظر رہنی چاہیے، ضروری نہیں کہ سب لوگ ان سب کاموں کی طرف متوجہ ہوں، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ سب ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بیک وقت کوئی مہم چلائی جا سکے، لیکن یہ بہرحال ضروری ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ کو آج کی ان معروضی ضروریات کا علم ہو، ان کا احساس ہو، اور ان کے لیے کچھ نہ کچھ کرنے کا ذوق پیدا ہو جائے۔ سردست اگر اساتذہ صرف اتنی بات کا اہتمام کر لیں کہ ان ضروریات سے واقفیت حاصل کر لیں، ان کے بارے میں ضروری معلومات کے ساتھ غور وخوض کرتے رہیں اور دوران تدریس اپنے شاگردوں کو حسب موقع اور حسب ضرورت ان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے علمی وفکری راہنمائی فراہم کرنے کو معمول بنا لیں تو اس سے بھی اچھی پیشرفت ہو سکتی ہے اور ''رب مبلغ اوعی له من سامع'' کا خوشگوار منظر دیکھنے کو مل سکتا ہے۔

انتخاب

بس دیانت وامانت شرط ہے

روزنامہ امت میں وفاق المدارس العربیہ کے نظام امتحان کے تناظر میں لکھا گیا خاص اداریہ

وفاق المدارس العربیہ وطن عزیز کے دینی مدارس کا سب سے بڑا بورڈ ہے۔جو۱۹۵۹ء میں قائم ہوا۔عصری اداروں کے امتحانی بورڈز کا دائرہ کار صرف امتحانات تک محدود ہوتا ہے،لیکن اس کے برعکس وفاق المدارس اپنے ملحق اداروں کے لیے نصاب کی تیاری سمیت دیگر اہم امور کی بھی نگرانی کرتا ہے۔ بلکہ اب یہ ایک مربوط نظام تعلیم کی صورت اختیار کرچکا ہے۔جس میں دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں اور وقت کے ساتھ جدید علوم کا اضافہ بھی کیا جارہا ہے۔ ہفتے کے روز چونکہ وفاق المدارس کے سالانہ امتحانات کا آغاز ہوگیا ہے اس لیے ہم اس پر کچھ روشنی ڈال کر سرکاری وغیر سرکاری عصری تعلیمی اداروں کے ارباب اختیار کو دعوت دیں گے کہ اگر وہ چاہیں تو وفاق المدارس کے مثالی نظام کو اپنے لیے رول ماڈل بناسکتے ہیں۔

وفاق المدارس کے ساتھ ملک بھر میں بیس ہزار نو سو چوالیس ادارے ملحق ہیں۔ان مدارس میں زیر تعلیم چار لاکھ انسٹھ ہزار ایک سو انتالیس طلبہ وطالبات اس بار امتحان میں شریک ہیں۔جن کے لیے دو ہزار پانچ سو سرسٹھ سینٹرز قائم کیے گئے ہیں۔ان امتحانی مراکز میں سترہ ہزار سات سو چھیاسٹھ افراد نگران عملے کے طور پر ڈیوٹی دے رہے ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ وفاق المدارس کے امتحانات پورے ہفتے میں ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں شروع ہوتے ہیں۔ ہفتے کے روز (روزانہ) صبح ٹھیک آٹھ پرچے شروع ہوتے ہیں۔امتحان کا دورانیہ چار گھنٹے پر مشتمل ہوتا ہے۔پھر ایک ساتھ جمعرات کے روز امتحانات اختتام پذیر ہوتے ہیں۔اس بار تین مارچ کو آخری پرچہ ہوگا۔پوری باسٹھ سالہ تاریخ میں کبھی پیپر کینسل یا مؤخر ہونے کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ایسا نہیں کہ امتحانات کی تیاری کے لیے عملے کی فوج بھرتی کی گئی ہے۔نہیں،چند ہی افراد یہ سارا نظام چلا رہے ہیں۔کراچی سے لے کر چترال اور گلگت تک تمام مراکز میں ہر صبح متعلقہ پرچہ پہنچا دیا جاتا ہے۔چاہے سردی ہو یا گرمی یا طوفان،کسی صورت تاخیر نہیں ہوتی۔درس نظامی کے پیپر سے قبل حفظ قرآن کی تکمیل کرنے والے بچوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔

اس وقت وفاق المدارس سے ملحق اداروں میں انتیس لاکھ بیاسی ہزار چھ سو ترانوے طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔دنیا میں سب سے زیادہ حفاظ بنانے کا اعزاز بھی وفاق المدارس کو حاصل ہے۔جس پر سعودی حکومت کی جانب

سے اسے ایوارڈ بھی دیا جاچکا ہے۔۱۹۸۲ء میں وفاق المدارس نے شعبہ تحفیظ کے امتحان کا آغاز کیا تھا،اس وقت سے اب تک تیرہ لاکھ تریسٹھ ہزار چار سو اٹھاسی بچوں اور بچیوں نے کلام پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔جبکہ شروع سے اب تک چار لاکھ بتیس ہزار اڑسٹھ طلبہ وطالبات سند فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ایک ایسے ملک میں جہاں شرح خواندگی نہایت پست ہو،قوم کے اتنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا یقیناً مدارس کا بہت بڑا احسان ہے۔

وفاق المدارس العربیہ کے تحت سالانہ امتحانات کے انعقاد کی مکمل نگرانی اور ترتیب ادارہ کی بااختیار وفعال امتحانی کمیٹی انجام دیتی ہے۔تاریخ امتحان کے اجراء کے ساتھ ہر سال یکم ربیع الاول سے داخلوں کا آغاز ہوجاتا ہے، پھر سوالیہ پرچوں کی تیاری سے لے کر امتحانی مراکز کے قیام ونگران عملہ کی تقرری تک اور بروقت شفاف امتحان کے انعقاد اور پھر نتائج کی تیاری سمیت دیگر مراحل طے شدہ اصول وضوابط کی روشنی میں انجام دیئے جاتے ہیں۔پھر امتحانات کے دوران مراکز کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے اور قواعد وضوابط پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جاتا ہے اور روزانہ کی بنیاد پر ذمہ داران مراکز کے دورے کرتے ہیں۔

اس وقت عالم اسلام کی نامور علمی شخصیت مفتی محمد تقی عثمانی وفاق المدارس کے مرکزی صدر ہیں۔انہوں نے نگران عملے کو امتحان سے قبل ہدایت جاری کی کہ قواعد وضوابط میں نرمی نہ کی جائے ،اور طلبہ سے برتاؤ میں سختی نہ کی جائے۔امتحانات کے ٹھیک ایک ماہ کے اندر نتائج تیار کر کے جاری کیے جاتے ہیں۔اس حوالے سے بھی تاخیر کی کوئی روایت موجود نہیں۔سیکولر عناصر مدارس کو مطعون کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔لیکن یہاں کا امتحانی نظام بطین الاقوامی اسٹینڈرڈ کے مطابق ہے؛ جہاں نقل اور کاپی کلچر کا تصور بھی نہیں ہے۔جبکہ ہمارے عصری اداروں میں جس طرح امتحانات ہوتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔جب تک پولیس اور رینجرز کا پہرہ نہ بٹھایا جائے امتحان کا انعقاد ممکن ہی نہیں ہوتا۔پیسے لے کر حل شدہ پرچے تقسیم کیے جاتے ہیں اور نگران عملے سے لڑائی اور تشدد بھی معمول ہے۔کبھی پیپر آؤٹ ہوتے ہیں تو کبھی کینسل۔لیکن مدارس میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

چند برس قبل کراچی انٹر بورڈ کے چیئرمین پروفیسر انعام احمد نے کراچی میٹرک بورڈ کے چیئرمین ڈاکٹر سعید الدین کے ہمراہ وفاق المدارس کے امتحانی مراکز کا دورہ کیا۔یہاں کے امتحانی نظام کو دیکھ کر یہ حضرات ششدر رہ گئے۔دونوں نے کہا کہ ہمیں مدارس کے مثالی نظام سے استفادہ کرنا چاہیے اور اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم وفاق المدارس کے ساتھ مل کر ایسا نظام تشکیل دیں،جس سے ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھاسکیں۔انہوں نے کھل کر اعتراف کیا کہ ہمارا عصری تعلیمی نظام نقائص کا مجموعہ ہے اور مدارس کا نظام دیانت وامانت پر استوار ہے۔

(باقی صفحہ نمبر:۵۴)

وفیات

☆......تبلیغی جماعت کے بزرگ حضرت مولانا مفتی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے فرزند **مولانا یوسف رابع** ۸/فروری ۲۰۲۲ء کو فیصل آباد میں انتقال کر گئے......اناللہ وانا الیہ راجعون!۔ابھی دو تین ماہ قبل ہی آپ بڑے بھائی مولانا محمد یوسف اول کا انتقال ہوا تھا۔یہ اس خاندان کے لیے تھوڑے عرصہ میں دوسرا بڑا صدمہ ہے۔

☆......**مولانا محمد قاسم قاسمی**: جامعہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاولنگر کے مہتمم مولانا محمد قاسم قاسمی ۲۸/جنوری ۲۰۲۲ء کو نشتر اسپتال ملتان میں انتقال کر گئے......اناللہ وانا الیہ راجعون!۔آپ معروف علمی شخصیت تھے،اور صرف ایک واسطے سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔آپ کچھ عرصہ سے گردوں کے عارضے میں مبتلا تھے ،جو آپ کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔انتقال سے اگلے روز آپ نماز جنازہ جامعہ قاسم العلوم فقیروالی میں ادا کی گئی ۔جس میں علاقے کے علماء اور عوام نے بڑی تعداد نے شرکت کی۔

☆......**مولانا پیر جی عبدالجلیل رائے پوری**:......مدرسہ عزیز العلوم چیچاوطنی ضلع ساہیوال کے مہتمم مولانا پیر جی عبدالجلیل رائے پوری ۱۸/فروری ۲۰۲۲ء کو انتقال کر گئے......اناللہ وانا الیہ راجعون!

آپ علاقے کی معروف دینی وروحانی شخصیت اور حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔آپ کی پوری زندگی دین کی ترویج واشاعت میں گزری۔۱۸/فروری جمعہ کے آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں علاقے کے علماء،آپ کے متوسلین اور عوام نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

☆......**مولانا نعمان حسن لدھیانوی**: رحیم یارخان کے معروف علمی خانوادے کے فرد مولانا نعمان حسن لدھیانوی ۱۹/فروری ۲۰۲۲ء کو انتقال کر گئے،مولانا نعمان حسن لدھیانوی معروف مذھبی وسیاسی رہنما مولانا رشید احمد لدھیانویؒ کے فرزند تھے۔کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھے۔

☆......**مولانا عبدالقدوس محمدی کو صدمہ**: وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے میڈیا کوآرڈینیٹر مولانا عبدالقدوس محمدی کے والد گرامی محترم ریخ احمد تقریباً پچھتر برس کی عمر میں ۲۰/فروری ۲۰۲۲ء کو اسلام آباد میں انتقال کر گئے،اناللہ وانا الیہ راجعون!۔آپ نہایت دیندار اور با اخلاق بزرگ تھے۔وفات سے ایک ہفتہ قبل طبیعت ناساز ہوئی ،۲۰/فروری اتوار کی صبح تہجد کے وقت انتقال کر گئے۔پس ماندگان میں اہلیہ، دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی ہیں۔آپ کے دونوں فرزند ملک کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں۔وفاق المدارس کے قائدین نے تمام مرحومین کے ورثاء سے تعزیت مسنونہ کی ہے۔اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور جنۃ الفردوس میں مقام عطا فرمائے،آمین!۔

تبصرہ کتب

تبصرہ کے لیے دو کتابیں بھجوانا لازمی ہے
کتابیں مرکزی دفتر کے پتے پر بھجوایئے

مرغوب الادلۃ بالاحادیث النبویہ
علی مسلک الحنفیۃ (۴ جلد)

تالیف: مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری۔ طباعت: مناسب۔ قیمت: 2450 روپے۔ ملنے کا پتا: زمزم پبلیکیشنز اردو بازار کراچی۔ رابطہ نمبر: 03028478552

''مرغوب الادلۃ'' مولانا مرغوب احمد لاجپوری زید مجدہ کے پچپن رسائل پر مشتمل چار جلدوں کا مجموعہ ہے۔ صفحات کی کل تعداد 1388 ہے۔ یہ تمام رسائل احناف کے معروف مسائل کے حدیثی دلائل کے طور پر مرتب کیے گئے ہیں۔ مثلاً: ......تقلید کا ثبوت قرآن وحدیث سے......حدیث اور سنت میں فرق......وضو کے چار اہم مسائل اور ان کے دلائل......مسح علی الخفین......نماز میں قدم سے قدم ملانے کا مسئلہ......مغرب سے پہلے نفل کی حیثیت...... جنازہ کے چار مسائل اور ان کے دلائل......مرد وعورت کی نماز میں فرق......نماز کی قضاء واجب ہے......وسیلہ...... ایصال ثواب......قبلہ کی عظمت......مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟...... یہ اور اسی طرح کے کئی دیگر مسائل میں احناف کے موقف کو دلائل کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے، مولف اپنے ''عرض مرتب'' میں لکھتے ہیں۔

''بعض حضرات اور کچھ اہل علم کے حکم سے ان چند مسائل میں جن کے بارے میں ایک غلط تاثر دیا جارہا ہے کہ احناف کا ان مسائل میں عمل احادیث مبارکہ کے خلاف ہے اور احناف احادیث نبوی کو چھوڑ کر اپنے امام کے قول پر عمل کرتے ہیں، ہر مسئلہ پر مختصر طور پر صرف احادیث مع ترجمہ ومکمل حوالہ کے جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

مولف لکھتے ہیں کہ...... ہمارا مقصد نہ مناظرہ ہے اور نہ ان رسائل پر جواب الجواب کا ہے، نہ کسی فرقہ کی تنقید مقصود ہے، صرف احناف کے دلائل کو جمع کرنا مقصود تھا کہ یہ الزام احناف پر اس قدر شہرت اختیار کر گیا ہے کہ احناف کا دامن دلائل تقلید سے اگر خالی ہیں تو قلیل ضرور ہے، علماء اگر ان رسائل پر ایک نظر ڈالیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ ہمارے مسلک کے اکثر نہیں تقریباً سو فی صد مسائل دلائلِ نقلیہ سے پُر اور عین قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔''

یہ مکمل مجموعہ تخصص کے طلبہ، دارالافتاءات اور علماء کے لیے کافی مفید ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلوب تحریر نہایت متین ہے۔ کہیں مناظرانہ انداز کی جھلک نہیں۔ قاری اس مجموعے کے مطالعے سے اپنے مذہب حنفیہ کے متعلق کسی بھی طرح کے شک وشبہے سے مامون ہو جاتا ہے۔

سفینۃ النجات فی ذکر مناقب السادات

تالیف: مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری، صفحات: 261۔ طباعت: عمدہ۔ قیمت: 700 روپے۔ ملنے کا پتا: زمزم پبلشرز شاہ زیب سینٹر مقدس مسجد اردو بازار کراچی۔ رابطہ نمبر 8478551-0302

جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے ایمان کا حصہ ہیں اسی حضرات اہل بیت کرام بھی ہمارے ایمان کا حصہ اور ہماری محبتوں عقیدتوں کا مرجع ہیں۔اس کتاب میں نہایت عمدہ طریقے سے حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اور سادات عظام کے فضائل ومناقب، خصوصیات، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظروں میں اہل بیت کے مقام کو بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اکابر اہل بیت خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے قدرے تفصیلی حالات، حکایات، زہد و ورع، جودوسخا اور ان کی علمی صلاحیتوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ چونکہ اس کتاب کے مولف صاحب علم آدمی ہیں، انہوں نے کوشش کی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بات بے حوالہ یا غیر مستند نہ آجائے، اس لیے اس کتاب پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف: مولانا علامہ محمد عبدالحمید تونسوی۔ صفحات: 152۔ طباعت عمدہ۔ ملنے کا پتا: مرکز رحماء بینہم، ابدالی روڈ چوک نواں شہر ملتان۔ رابطہ نمبر 03339000971

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں، یہ اہل سنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے، امامیہ شیعہ اپنے باطل عقیدے کے مطابق صرف صرف سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بیٹی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ کتاب وسنت کی تصریحات کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی نسبی اور صلبی بیٹیاں چار ہیں، اور چاروں ام المؤمنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں۔ مولانا علامہ عبدالحمید تونسوی زید مجدہم نے مذہب شیعہ کے مصادر میں منقول روایات صحیحہ ومعتبرہ سے ثابت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک صاحبزادی نہیں بلکہ چار صاحبزادیاں تھیں۔ اسی مسئلے پر مناظر اہل سنت حضرت علامہ مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے اہل تشیع سے تین معرکۃ الآراء مناظر ہوئے، ایک مناظرہ عدالت عالیہ ڈیرہ غازی خان جسٹس احسان الحق کے روبرو ہوا تھا، تینوں مناظروں میں حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ کامیاب ہوئے۔ ڈی جی خان عدالت میں ہونے والے مناظرے کا فیصلہ اپنے مکمل متن کے ساتھ اس کتاب کی زینت ہے، اس مسئلے سے شغف رکھنے والے احباب کے لیے یہ کتاب ایک قیمتی ہدیہ ہے۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (سوالاً جواباً)

تالیف: مولانا مفتی محمد شعیب حقانی۔صفحات: 230۔طباعت مناسب، ملنے کا پتا: مدرسہ انوار القرآن دیر بالا عشیرٹی درہ کاٹن بالا۔رابطہ نمبر 03052024430

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی بھی تصنیف و تالیف سعادت سے خالی نہیں، علماء امت نے ہمیشہ سیرت النبی پر کام کر کے اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت دیا اور اپنے لیے سعادتیں سمیٹی ہیں۔زیر تبصرہ کتاب سیرت کے حوالے سے سوالاً جواباً مرتب کی گئی ہے۔کتاب کا اکثر مواد سیرۃ المصطفی (حضرت کاندھلویؒ) اور سیرت رحمۃ للعالمین (منصور پوریؒ) لیا گیا ہے، شمائل کبریٰ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔یہ کتاب عمدہ کاوش ہے، مدرسہ و اسکول کے بچوں کو سیرت سے روشناس کرانے کے لیے بہت مناسب ہے۔

رَختِ سفر (تاریخی کہانیاں)

مصنف: محمد حذیفہ رفیق۔صفحات: 212۔طباعت عمدہ۔قیمت 1200 ملنے کا پتا: زمزم پبلشرز شاہ زیب سینٹر مقدس مسجد اردو بازار کراچی۔

یہ کتاب مختلف اور مستند تاریخی واقعات کا مجموعہ ہے جسے کہانی کے انداز میں پیش کیا گیا ہے، یہ تمام کہانیاں تاریخ اسلام کے مختلف ادوار سے تعلق رکھتی ہیں، چنانچہ کہانیوں میں مذکور مقامات کے نقشے دینے کے ساتھ ساتھ وہاں کی ثقافت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔مشکل الفاظ کی توضیح کی گئی ہے۔کہانیوں میں جہاں کہیں سبق آموز جملے ہیں انہیں نمایاں کیا گیا ہے۔بہت سے عربی اسماء کا عموماً درست تلفظ نہیں کیا جاتا، اس لیے بہت سے ایسے اسماء پر حرکات لگادی گئی ہیں۔پوری کتاب آرٹ پیپر پر فور کلر میں شایع کی گئی ہے۔دس بارہ برس کی عمر کے بچوں کے مطالعے کے لیے مناسب کتاب ہے۔

دیارِ حجاز کی حسین یادیں

تصنیف: مفتی توقیر الحسن سیماب۔صفحات: 142 طباعت: مناسب۔ملنے کا پتا: ادارہ تحقیق وادب، حسن ابدال۔رابطہ نمبر: 03005808678

''دیارِ حجاز کی حسین یادیں'' سفر حرمین کی دلربا اور ایمان افروز داستان ہے۔مصنف نے اپنے سفر حرمین کے دوران جو دیکھا، محسوس کیا اور دل میں جو کیفیات گزریں انہیں صفحہ قرطاس پر منتقل کردیا ہے۔ساتھ ساتھ کئی تاریخی مقامات کی سیر کرانے کے دوران تاریخی واقعات بھی دلنشین انداز میں ذکر کردیے ہیں۔

اشتہار